نوائے حیات

(طبع دوم)

بہ اضافہ و ترمیم

یحییٰ اعظمی

مطبع معارف اعظم گڈھ میں طبع ہوا

سنہ ۱۹۵۰ء

فہرست مضامین

نوائے حیات طبع دوم

دیباچہ

نوائے حیات طبع دوم

نوائے حیات کا پہلا اڈیشن نومبر ۴۶ء مین حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی نے شائع کیا تھا، اور اب اس کا دوسرا اڈیشن جون ۵۰ء مین دارالمصنفین اعظم گڈھ سے چھپ کر شائع ہو رہا ہے، اس چار برس کی مدت، مین جو نئی نظمین لکھی گیئن، اُن کے علاوہ بہت سی ایسی قومی اور سیاسی نظمین بھی شریکِ اشاعت ہین، جو طبع اول مین بہ وجوہ شائع نہ ہو سکی تھین، اس کے ساتھ ساتھ بعض دوستون اور بزرگون کے مشورہ سے کچھ ایسی ہنگامی نظمین مجموعہ سے خارج بھی کر دی گئی ہین، جن سے ملت کی گذشتہ تلخیون کی یاد تازہ ہوتی تھی، اس اضافہ و ترمیم اور تنوعِ مباحث کے لحاظ سے بلاشبہہ عرض کیا جا سکتا ہے، کہ نیا مجموعہ گذشتہ مجموعہ سے نسبتًہ زیادہ مکمل ہے، اور اس بنا پر اگر اسے نوائے حیات طبع دوم کے بجائے نوائے حیات حصہ دوم کہا جائے،

تو کچھ بیجا نہ ہوگا،

ارباب نظر جانتے ہین کہ نوائے حیات اُس دورِ ادب کا ایک مُرقّع ہے، جسے حضرت شبلیؔ سے نسبت کا شرف حاصل ہے، چونکہ ملک مین نئے ادب کے غلو کے باوجود ابھی شبلیؔ مکتب ادب کے ذوق شناس موجود ہین، اس لئے امید ہے ایک معتقد شبلیؔ کی یہ حقیر ادبی کوشش حسنِ قبول سے محروم نہ رہے گی،

"یحییٰ اعظمی"

EDUCATION MINISTER,
INDIA.

کچھ لوگ شاعری کرتے ہیں اور کچھ لوگ شاعر ہوتے ہیں۔ صائب نے پہلی صنف کی نسبت کہا تھا

شعر گفتن چہ ضرور؟ اور بالکل صحیح کہا تھا، لیکن دوسری صنف کے لیے شعر گفتن نہ صرف ضروری ہوتا ہے بلکہ ناگزیر ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں میں یحییٰ اعظمی صاحب ہیں۔ انکی طبیعت شاعرانہ واقع ہوئی ہے اسلیے جو کچھ کہتے ہیں موثر اور دلنشین ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے انکا کلام عام طور پر مقبول ہوگا۔

ابوالکلام کان اللہ لہ

۲۰ جون ۵۰ء

دہلی

مقدمہ

از

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی متع اللہ المسلمین بطول بقائہٗ

مشہور ہے کہ الشعراء تلامیذ الرحمٰن، مشہور ضرب المثلون مین بھی حقیقت چھپی رہتی ہے ؂

این ہا ہمہ راز است کہ مشہور عوام است

اس بنا پر مشہور ضرب المثل بھی اپنے اندر حقیقت رکھتی ہے، الہام یعنی دل مین کسی بات کا من جانب اللہ آجانا، اس کی ظاہری مثال شعراء کی زندگی مین اتنی ملتی ہے کہ اس ظاہری تشابہ کی بنا پر ان کو شاگردان الٰہی کا نام دے دیا گیا ہے، گویا تحقیق باقی رہ جاتی ہے کہ حقیقت مین یہ وحی من الرحمان ہے کہ من الشیطان، کیونکہ قرآن پاک کی رو سے وحی کی یہ دونون قسمین ہین، پہلی وحی کا حال تو معلوم ہے، دوسری وحی کا ذکر بھی قرآن پاک مین دو جگہ ہے،

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا — اور اسی لئے ہم نے ہر نبی کا دشمن بنایا ہے، شیاطین

شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (انعام)

انس اور جن کو، ان میں کے بعض بعض کو فریب سے چکنی چپڑی باتیں وحی کرتے ہیں،

پھر اس کی پہچان بھی بتادی کہ اس وحی میں صرف پر فریب اور ظاہری چمک، دمک ہوتی ہے، حقیقت کا نور اس میں نہیں ہوتا، اس وحی شیطانی کی دوسری نشانی ایک اور ہے،

وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰی اَوْلِیٰٓئِهِمْ لِیُجَادِلُوْکُمْ (انعام)

اور یقیناً شیطان اپنے دوستوں کو وحی کرتے ہیں کہ وہ تم سے جدال کریں،

اس سے معلوم ہوا کہ حق کی مخالفت اور حق کے قبول میں جدال اسی وحی شیطانی کا خاصہ ہے،

شعراء کے نام سے قرآن پاک میں ایک خاص سورہ ہے، اس سورہ کا خاتمہ ان آیتوں پر ہے،

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ ۝ تَنَزَّلُ عَلٰی كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ ۝ یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ۝ وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ۝ وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ۝ (شعراء-۱۱)

ہم تم کو بتائیں کہ شیطان کن پر اترا کرتے ہیں؟ شیطان ہر تہمت جوڑنے والے گنہگار پر اترتے ہیں، سنی سنائی باتیں اُن کو القاء کی جاتی ہیں، اور ان میں اکثر جھوٹے ہوتے ہیں اور شاعروں کے پیرو گمراہ لوگ ہوتے ہیں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ (خیال کی) ہر وادی میں سرگرداں رہتے ہیں، اور وہ وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں، لیکن جو ایمان لائے، اور جنھوں نے اچھے کام کئے اور اللہ کو بہت یاد کیا، اور مظلومی کے بعد انتقام کو کھڑے ہوئے، اور ظالموں کو آئندہ معلوم ہوگا کہ

مومن شاعر اس سے مستثنیٰ ہیں

اہلِ عرب کا عقیدہ تھا کہ شاعرون پر شیطانی وحی آتی ہے یعنی ہر شاعر کے پاس ایک شیطان موکل ہوتا ہے اُسی کی تعلیم سے وہ شاعر شعر کہا کرتا تھا حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھی وہ شاعر سمجھتے تھے، کہ یہ قرآن بھی شیطانی وحی ہے اللہ تعالیٰ نے ان آیتون مین دونون وحیون کے فرق و امتیاز کے وجوہ بیان فرمائے ہین، ارشاد ہے کہ شیطانی وحی اس پہ آتی ہے جو باتین گڑھا کرتا ہے، جو جھوٹ بولتا ہے، جس کے مداح اور پیرو گمراہ اور بدکردار ہوتے ہین، جس کا خیال ہر میدان مین آوارہ پھرتا ہے، اور جس کے قول و عمل مین یکسانی نہین ہوتی ہے، درخت اپنے پھل سے پہچانے جاتے ہین، اسی اصول کی بنا پر الہامِ ربانی سے وہ شاعر سرفراز ہوتے ہین، جن کا علم و عمل صحیح ہوتا ہے، جو صحیح اصولون کے معتقد اور اعمالِ صالحہ پر کاربند ہوتے ہین، اور جن کی شاعری کا منشا حق کی حمایت، حقیقت کا اظہار، واقعیت کا بیان ہے، اور اس حق پرستی اور حقیقت گوئی کا جوش و خروش، موزون نالون اور ترانون کی صورت مین ظاہر ہو کر سننے والون کے دلون مین تاثیر کی لہرین پیدا کرتا ہے محض یاوہ گوئی اور قافیہ پیمائی، خواہ کسی قدر اس مین زور و شور ہو، وہ

اے طبلِ بلند بانگ در باطن ہیچ

کا مصداق ہے،

آج کل عرضِ ہنر کے بازار مین متاعِ شاعری کی ارزانی کا یہ حال ہے کہ شام کو ہمارا نوجوان شاعر ہوتا ہے، رات کو غزل کہتا ہے، اور صبح کو لسان الشعراء اور ملک الشعراء کے نام سے کسی نہ کسی موقت اخبار و رسالہ کے خالی صفحون کے بھرنے مین کام آجاتا ہے، ہمارے بزرگون کو اپنے عرضِ ہنر مین یہ احتیاط تھی کہ جب تک ان کو ایک مدت تک اساتذہ کی اصلاح و صحبت سے اپنے کمال کی سند ہاتھ نہ آجاتی، وہ مشاعرون مین اپنا کلام بھی نہین سناتے، اور اگر کسی نے ہمت کی، اور ایک آدھ غلطی کا اشارہ کسی طرف سے ہوتا تو عرقِ ندامت مین غرق ہو جاتے، اور اپنے دیوان اور مجموعۂ کلام کی اشاعت اس وقت تک نہین کرتے جب تک

بار بار کے حک و اصلاح، اور دوسرے اہلِ نظر کے انتخاب و پسندیدگی کے بعد ان کا قلب مطمئن نہ ہو جاتا، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج اُن کا دیوان شعر و ادب کی جان کا تعویذ ہے، اور آج کل کے عجلت پسند، عرضِ ہنر کے شائق نوجوان شعرا کا طومار، زمانہ کے سیلاب کا خس و خاشاک ہے، جو سطحِ آب پر تھوڑی دیر نمود دکھا کر ساحلِ فنا سے ہم کنار ہو جاتا ہے، حضرت امیر کا کہنا ہے ع

وہی رہ جاتا ہے زبانوں پر شعر جو انتخاب ہوتا ہے،

اسی کو بدل کر فقیر یوں عرض کرتا ہے ع

وہی رہ جاتا ہے زمانہ مین شعر جو انتخاب ہوتا ہے،

پیشِ نظر مجموعۂ کلام ایک ایسے شاعر کا ہے، جس کو کسب و محنت نے نہین، بلکہ قدرت و فطرت نے شاعر بنا کر عرصۂ حیات مین بھیجا ہے، شاید اسی لئے الاسماء تنزل من السماء کے اصول پر اس کا نام یحییٰ ہوا، ان کی شاعری اُن کا عقیدہ اور حقیقت ہے، اور وہ الہام شاعرانہ ہے، جو ایمان و عمل کی دعوت ہے، پھر اُن کی شاعری نے ایسے ماحول مین تربیت پائی، جو ہمہ تن شعر و ادب تھا، اُن کی کوئی نظم اس وقت تک محفلون مین نہین آئی، جب تک کنج کی خلوتون مین وہ اہلِ نظر دوستون کی پسندیدگی کے قابل نہین ٹھہری، اور لائق بزرگون کے مشورون سے وہ سندِ قبول نہ حاصل کر چکی،

شاعر کے کلام پر نمایان اثر شبلی اور شبلی کے خوش گو شاگرد حضرت سہیل کا ہے، وہی اردو مین فارسی ترکیبون کا وقار، وہی جذبات کا جوش و خروش اور ہر نظم مین مذہب و سیاست کا رجز، الفاظ کا شکوہ جذبات کا جوش اور حق و صداقت کا رجز اس کے کلام کی خصوصیات ہین، اور یہی در اصل قصائد کے جوہر ہین، اور اسی لئے شاعر کا یہی اصل میدان ہے، باقی غزلیات اور دوسرے اصناف کی حیثیت اس مین شاعری

کے جمیع اصناف کی تکمیل کی سعی ہے،

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن پاک مین اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

وَلَمْ نَجْعَلْ لَہٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا (مریم) اور ہم نے اس کا کوئی ہمنام پہلے نہین بنایا،

شاعر کو اس ہمنامی کی سعادت مین یہ خصوصیت نصیب ہوئی ہے، کہ وہ ایسا شاعر ہے جس کا کوئی تخلص نہین حتی کہ اس کا نام بھی بعض شعرار کے نامون کی طرح تخلص کی شرکت سے پاک ہے اور اس وصف مین شاید کوئی اردو اور فارسی کا شاعر اس کا شریک نہین محض تخلص کے شاعر تو بہت دیکھنے مین آئے ہین، لیکن تخلص کے بغیر محض شاعر شاید ہی دیکھنے مین آیا ہو، اس پورے مجموعۂ کلام مین کوئی ایک شعر یا مصرعہ بھی ایسا نہین ہے، جو تخلص یا شاعر کے نام کی شرکت سے آلودہ ہو،

شاعری کے ظاہری محاسن اربابِ نقد نے جو بیان کئے ہین، ان سے ہم کو انکار نہین، لیکن اس کے باطنی محاسن درحقیقت شاعری کی حقیقت رسی حقیقت گوئی، جذبات کی شدت اور بیان کا جوش و خروش ہے، اور یہ محاسن اس مجموعہ مین بدرجۂ اتم موجود ہین، اس مین موت کا پیغام نہین، یہ سراسر پیام زندگی، اور نوائے حیات ہے اور زندون کے میدانِ عمل کا نعرہ ہے،

شاعر کی نظمون مین جو قوت محسوس ہوتی ہے، اس کا سبب یہی ہے کہ اس کا موضوع بیان، قوت کے وہ دو سرچشمے ہین، جن کو استادِ **شبلی** نے حیات و ترقی کا منبع قرار دیا ہے، ان کی نظم "مذہب اور سیاست" کا مطلع ہے،

تم کسی قوم کی تاریخ اٹھا کر دیکھو
دو ہی باتین ہین کہ جن پر ہے ترقی کا مدار

مذہبیات مین حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مناقب کا پرجوش بیان بھی شبلی سے شروع ہوا، اور اب حضرت اقبال سہیل نے اس کو نئے آب و رنگ سے پیش کیا ہے، جو صرف زبان کو جزاک اللہ اور سبحان اللہ کہنے پر مجبور نہین کرتا، بلکہ دلون کو ان بزرگون کی عقیدت سے معمور اور قلوب کو پرنور بناتا ہی،

ادب کی راہ سے مرثیون اور نوحون کی صورت مین ایک خاص عقیدے کے نشر و اشاعت کی جو کوشش ایران، بیجاپور، گولکنڈہ، اور اودھ مین کی جاتی رہی، اور اب بھی کی جا رہی ہے، اس کی کامیابی مین کس کو شک ہی ضرورت ہی کہ دوسرے نظریے اور عقیدے کے حامل بھی اسی راہ سے اپنے بزرگون کے محاسن اور مناقب دنیا پر آشکارا کرین، اور اس کو اپنے ادب کا ایک ضروری حصہ قرار دین، اس مجموعہ مین آپ کو ایسے قصائد ملین گے، جو اس ادب کے اس ضروری حصہ کے چند کامیاب نمونے ہین،

سیاسیات کی نوعیت مین بھی شاعر کا ذوق شبلی کا تبیع ہے، یہ نہین کہا جا سکتا کہ آج حضرت شبلی ہوتے تو کیا کہتے، لیکن پہلے جو کچھ انھون نے کہا ہی اس کی تائید بیش از بیش اس مین کی گئی ہے، گو سیاسیات اس کلام کا موضوع نہین، اور نہ اس کے حسن و قبح پر گفتگو اس وقت میرا مقصود ہی، تاہم یہ معلوم ہے کہ یہ وہ دھوپ چھاؤن ہے، جو ہر وقت رنگ بدلتی اور وہ بوقلمون ہے، جو ہر نئے زمانہ مین نئے انداز سے جلوہ گر ہوتی ہے،

رجالِ عصر کے مناقب اور مدائح اور مراثی بھی اس مجموعہ کا ایک حصہ ہے، اور یہ بھی اس مجموعہ کی ایک خصوصیت ہی اور اس لحاظ سے اُس نے قدما رکے ان قصائد کا ذوق دوبارہ زندہ کیا ہے، جس کے بدولت وہ تاریخ کے مستند اجزا بن گئے ہین، ہمارے گذشتہ شعراء کے فارسی قصائد سے آج تک سیکڑون ارباب کمال کے نام زندہ ہین، کیا عجب کہ اس مجموعہ کے بدولت آج کے رجال کل کے لئے زندگی پا جائین، شاعر کے قلم کی روشنائی مین آبِ حیات کے قطرے شامل ہوتے ہین،

اس مجموعہ مین مناظر قدرت کی تصویر کشی بھی کی گئی ہے، یہ تصویرین مصور فطرت کی عکاسی ہین، ان مناظر کی لفظی تصویر کشی بڑا مشکل کام ہے، مگر ہمارے شاعر نے اس مشکل کو حل کیا ہے، کبھی اپنے خیال کے آسمان پر چاند چمکایا ہے کبھی اوس کی زمین پر دریا بہائے ہین اور کبھی تخیل کے چمن زار مین پھول کھلائے ہین، کبھی صبح کے سہانے وقت کا نور دکھایا ہے، اور کبھی گھنگھور گھٹا کا اندھیرا پھیلایا ہے۔

شاعر کی زبان سہل اور عام فہم نہین، اور آج کل فارسی کے ذوق کا جو فقدان ہے، اس کو دیکھتے ہوئے یہ خیال گذرتا ہے کہ شاید عام لوگون کو اس کے سمجھنے مین کہین کہین دشواری ہو، لیکن واقعہ یہ ہے کہ شاعر اس باب مین معذور ہے، وہ اپنے جوش بیان کے اظہار کے لئے عام فہم طرز بیان اور الفاظ سے تسلی نہین پاتا، اور اس کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اُس نے اپنے فرض مین کوتاہی کی ہے، تاہم غزلیات اور بعض بالقصد آسان طرز کے منظومات نے بھی اس مین جگہ پائی ہے، لیکن حق یہی ہے کہ وہ شاعر کی اپنی پسند کی چیزین نہین،

آج کل نوجوان شعراء مین غزلون کی تنگنائے سے باہر نکلنے کا جذبہ پیدا ہے، اور اس لحاظ سے اس مجموعہ کلام کا مؤلف بھی اس جذبہ سے ہم آہنگ ہے، لیکن اس تنگنائے سے نکل کر کس میدان کی طرف رخ کیا جائے؟ ترقی پسند ادیب کا کہنا ہے کہ یہ میدان روزانہ کی زندگی کے مسائل کا بیان ہے، تا کہ زندگی اور ادب مین باہم ربط پیدا ہو، لیکن روزانہ زندگی کے مسائل کی وسعت اگر صرف روٹی، مزدور اور غریب کے جھونپڑے تک محدود نہین، بلکہ معاشرت کی صحیح اصلاح، اخلاق کی صحیح دعوت اور سیاسیات کی صحیح تبلیغ اور مردان عمل کی صحیح قدرشناسی تک وسیع ہے، تو یہ کہنا درست ہے کہ ہمارا شاعر بھی ترقی پسند ادیب ہے، لیکن وہ ترقی پسند ادیب جو مارکس اور انجل کے صحیفون کا معتقد اور روس کے دیوتاؤن کا پرستار نہین، بلکہ دین حق اور اس کے نظام مساوات کا معتقد اور اس کے قیام کا طلب گار اور باطل کی شکست کا آرزومند اور باطل کے شیوع کا دشمن، اسی لئے جس کو وہ

باطل سمجھتا ہے، اُس کے رد مین اس کے لہجہ مین تلخی اور جس کو حق سمجھتا ہو اس کے اثبات مین غلو کا رنگ نظر آتا ہو، مگر یہ سب احساس کی شدت کا نتیجہ ہے، اور احساس کی شدت ہی اصل شاعری ہو،

اس موضوع پر اس سے زیادہ کہنا مقدمہ کی حد سے آگے بڑھکر تنقید کی سرحد مین قدم رکھنا ہے اور اب یہ کام جب کہ یہ مجموعہ پبلک کے ہاتھون مین جارہا ہے دوسرے اہلِ نظر کا ہے، مقدمہ نگار کا فرض اتنا ہی تھا کہ ناظرین کے پائے نگاہ کے لئے آیندہ منظومات کے معانی و مضامین تک پہنچنے کے لئے زمین ہموار کردے،

والسّلام

ہیچمدان

سید سُلیمان ندوی

۲۰ دسمبر ۱۹۲۵ء

احساسِ تشکّر

نذرِ عقیدت

بہ

آستانِ سہیل[1]

مرے قلم کا یہ سرمایۂ نشید و ادب
ہے فیض بخشیِ کلکِ گہر فشانِ سہیل

زہے نصیب کہ بخشا فروغِ داغِ سجود
جبینِ خامہ ہے ممنونِ آستانِ سہیل

اسی نوا گرِ معجز بیان کے صدقے مین
مرے قلم کا ہے ہر تار نغمہ خوانِ سہیل

اس انتساب سے لیکن ہے انفعال مجھے
کہان یہ قطرہ کہان بحرِ بیکرانِ سہیل

فقیر اور شہنشاہِ کشورِ معنیٰ
پشیز اور گہر ہاے شائگانِ سہیل

شعاعِ فیض کی ہیں یہ نوازشین ورنہ
کہان یہ ذرہ کہان مہرِ ضوفشانِ سہیل

اُس آستان پہ یہ اک نذر ہے عقیدت کی
مرے قلم کو کہان تابِ ارمغانِ سہیل

---

[1] دیارِ ہند مین عرفی و نظیری کے ہم زبان، خاقانی و قاآنی کے ہم نوا متقدمین کی یادگار، خم کدۂ شبلی کے رند سرشار، علی گڈھ کے مایۂ ناز فرزند مخدوم گرامی جناب مولانا اقبال احمد خان صاحب سہیل ایم اے (علیگ)

سخنورانِ عجم اب کہاں کہ پہچانیں ‌ ‌ ‌ کمالِ رتبۂ اقبال و قدرِ شانِ سہیل
نہ اب ہیں حافظ و خسرو نہ سعدی و سلمان ‌ ‌ ‌ اٹھے بساطِ زمانہ سے ہم زبانِ سہیل
جبیں جھکی ہے یہاں عرفی و نظیری کی ‌ ‌ ‌ وہ جلوہ گاہِ معانی ہے آستانِ سہیل
مدام اس سے اُبلتا ہے بادۂ شیراز ‌ ‌ ‌ الٰہی موجۂ کوثر ہے یا زبانِ سہیل

وہ جرعہ خوارِ خمستانِ فیضِ نعمانی
حریفِ انوری و عنصری و قاآنی

۳۰ راکتوبر ۱۹۴۴ء

بزم قدس

نذرِ عقیدت

بدربارِ رسالت

دو عالم تجھ پہ صدقے اے زمینِ گنبدِ خضرا
تری آغوش میں آسودہ ہے وہ برزخِ کبریٰ

وہ جس کی ذاتِ والا اک نویدِ رحمتِ عالم
وہ جس کا روے زیبا شمعِ ظلمت خانۂ دنیا

وہ جس کا نطقِ شیریں نغمۂ الہامِ ربانی
وہ جس کا خلقِ نوشیں شہد سے بڑھکر حلاوت زا

وہ جس کی ہستیٔ اقدس سراپا معنیٔ قرآں
وہ جس کا ہر نفس شرحِ پیامِ ملّتِ بیضا

وہ جس کے درگہ سامی کا جبریلِ امیں چاکر
وہ جس کے عتبۂ عالی پہ قدسی ناصیہ فرسا

وہ جس کے آستاں پر رفعتِ عرشِ بریں صدقے
وہ جس کے بوستاں میں نغمہ پیرا بلبلِ طوبیٰ

مبارک عالمِ اجسام کی وہ ہستیٔ اعلیٰ
حفیض خاک سے کی جس نے سیرِ عالمِ بالا

وہ جس کے قربِ حق کا تاج نقشِ نصِّ "او ادنیٰ"
وہ جس کے قدس کی معراج "سبحان الذی اسریٰ"

وہ محمودِ احد جس کی صفت "مزمل و یٰسین"
وہ مطلوبِ ازل جس کا لقب "مدثر و طٰہٰ"

وہ اُمّیِ محفلِ اسرار جس کے نطق پر صدقے
وہ خاکیِ عالمِ انوار جس کا والہ و شیدا

چراغ افروزِ برقِ طور جس کی طلعتِ عارض
فروغ افزاے بزمِ نور جس کا جلوۂ سیما

خطیبِ عظمت و اجلال جس کے موسیِ عمرانؑ
نقیبِ رایتِ اقبال جس کے حضرتِ عیسیٰؑ

وہ جس کے خُم کدہ کے حضرت فاروقؓ صہبائی
وہ سرشارِ مئے باقی تصدق جس پہ میخانہ
وہ جس کے بادہ نوشون مین بلالؓ و بوذرؓ و سلمانؓ
وہ جس کا نقشِ پا سجدہ گہِ مہر و مہِ کامل
وہ جس کی برقِ ایمان بے قرارِ جلوۂ ایمن
وہ جس کے بوریا پر سطوتِ تختِ شہی قربان
محمد وہ کمالِ آخرینِ محفلِ عالم
محمدؐ وہ نسیمِ نوبہارِ گلشنِ ہستی
محمدؐ وہ شبستانِ ازل کی شمعِ نورانی
محمدؐ وہ گروہِ اولیا کے سیدِ والا
محمدؐ وہ نبوت کے شرف کے مبدء و خاتم
محمدؐ وہ شہنشاہِ دو عالم سرورِ افخم
محمدؐ وہ سحابِ رشحہ بارِ مزرعِ گیتی
محمدؐ وہ بہارِ تازۂ باغِ براہیمؑ
وہ خورشیدِ ضیا بارِ عرب جس کی تجلی سے
وہ رشکِ مہرِ عالمتاب جس کی جلوہ ریزی سے
نئے انداز بیداری سے کروٹ لی زمانہ نے

وہ جس کے گُل کدہ کے حضرت صدیقؓ اک طوبیٰ
وہ ساقی جس کے دم سے ضو فشان خمخانۂ بطحا
وہ جس کے سرخوشون مین ابنِ زیدؓ و سیدالشہداؓ
وہ جس کا داغِ سیما مطلعِ نورِ سحر گویا
وہ جس کا ذوقِ عرفان زندہ دارِ خلوتِ شبہا
وہ جس کے فقر سے لرزان شکوہِ قیصر و کسریٰ
محمدؐ وہ جمالِ اولین شاہدِ معنیٰ
محمدؐ وہ شمیمِ مشک بارِ جنت الماویٰ
محمدؐ وہ ز سر تا پا جمالِ جلوۂ سینا
محمد وہ کلاہِ انبیا کے طرۂ زیبا
محمدؐ وہ رسالت کی صدف کے لولوے لالا
محمدؐ یعنی وہ کونین کے پیغمبر و آقا
محمدؐ وہ شبابِ روزگارِ ملتِ بیضا
محمدؐ وہ چمن پیرائے باغِ ملتِ آبا
عرب کا ذرہ ذرہ آسمانِ قدس کا تارا
شبستانِ جہان مین پھر ہوا نورِ سحر پیدا
خمارِ خوابِ نوشین سے یکایک جاگ اٹھی دنیا

جہان کے گلشنِ پژمردہ مین تازہ بہار آئی   رگِ افسردۂ ہستی مین خونِ زندگی دوڑا
نگاہِ معرفت پیدا ہوئی پھر دیدۂ دل مین   عطا ہر کورِ باطن کو ہوئے پھر دیدۂ بینا
عرب کی وادیان تکبیر کے نعرون سے گونج اٹھیں   ہوا عالم مین آوازہ بلند اللہ اکبر کا
تزلزل پڑ گیا اس غلغلہ سے قصرِ باطل مین   ندائے حق سے کانپ اٹھا حریم قیصر و کسریٰ
جھکا دین گردنین اربابِ طغیان و تمرد نے   ہوئے نام آوران کفر اک بندۂ مولیٰ
فدایانِ محمد بن گئے جو دشمنِ جان تھے   تہِ تیغِ محبت ہو گئی یکسر صفِ اعدا
کوئی فاروقِ اعظمؓ تھا کوئی صدیقِ اکبرؓ تھا   جلال آرا تھا کوئی اور کوئی تھا جمال آرا
جہان کے گوشہ گوشہ مین صدائے دینِ حق پہنچی   لوائے حق پرستی مشرق و مغرب مین لہرایا
ہوا سکہ روان عدل و مساوات و اخوت کا   ہوئی پھر از سرِ نو مجلسِ صدق و صفا برپا
فضائل سے ہوئی آراستہ پھر بزمِ انسانی   محاسن کا بنی گہوارہ پھر یہ فسق کی دنیا
دلون کی خشک کھیتی لہلہائی جوشِ باران سے   سرابستانِ جان مین چشمہ پھوٹا نورِ عرفان کا
مٹی ظلمت سرائے دہر سے لعنت غلامی کی   زمانہ سے اٹھی رسمِ تمیزِ بندۂ و آقا
جسے دیکھو وہ اب سرشارِ صہبائے اخوت ہے   جسے دیکھو وہ اب ہے بادۂ وحدت کا متوالا
نہ دیکھی ہو گی چشمِ آسمان نے بزمِ قدس ایسی   سنے ہون گے نہ عالم نے یہ نغماتِ طرب افزا
نہ پائے گا زمانہ پھر کبھی مجد و شرف ایسا   نہ دیکھے گا کبھی پھر یہ سعادت دیدۂ دنیا

مظاہر تھے یہ سارے رحمت للعالمینی کے
کرشمے تھے یہ سب بس آپ کی لطف آفرینی کے

الصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانام

سلام اس پر ہوئی جس سے منور بزمِ امکانی
سلام اس پر رخِ اقدس تھا جس کا شمعِ نورانی

سلام اس پر لقب تھا رحمۃ للعالمین جس کا
سلام اس پر کہ خود اک نامِ نامی تھا امین جس کا

سلام اس پر کہ تھا ہمدرد و مخلص غم نصیبوں کا
سلام اس پر کہ تھا غم خوار مسکینوں غریبوں کا

سلام اس پر یتیموں کا ہمیشہ جس نے غم کھایا
سلام اس پر جو دلسوزی سے بیواؤں کے کام آیا

سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی کارسازی کی
سلام اس پر کہ خو تھی جس کی ہمسایہ نوازی کی

سلام اس پر کہ خود "الفقر فخری" جس نے فرمایا
سلام اس پر دلوں کو سوزِ حق سے جس نے گرمایا

سلام اس پر دیا عدل و اخوت کا سبق جس نے
سلام اس پر سنایا دہر کو پیغامِ حق جس نے

سلام اس پر عدو پر جس نے رفق و لطف فرمائے
سلام اس پر عوض پتھر کے جس نے پھول برسائے

سلام اس پر جو بن کر رحمۃ للعالمین آیا
سلام اس پر جو از سر تا قدم لطف آفریں آیا

سلام اس پر دلِ عالم پر جس نے بادشاہی کی
سلام اس پر بد اندیشوں کی جس نے خیر خواہی کی

سلام اس پر مٹایا جس نے فرقِ خواجہ و مولا
سلام اس پر اٹھائی جس نے رسمِ بندہ و آقا

سلام اس پر لٹائے گنج ہائے سیم و زر جس نے
سلام اس پر نہ کھایا سیر ہو کر عمر بھر جس نے

سلام اس پر فقیری میں تھی جس کی شانِ سلطانی
سلام اس پر شترباں کو دی جس نے جہانبانی

سلام اس پر سہے حق کے لیے رنج و محن جس نے
سلام اس پر خدا کی راہ میں چھوڑا وطن جس نے

سلام اس پر کلیم افروز تھا جس کا تنِ نوری
سلام اس پر رُخِ روشن تھا جس کا شمع کافوری

سلام اس پر صفت والشمس جس کے روئے انور کی
سلام اس پر شبستانِ جہاں جس نے منوّر کی

سلام اس پر کہ سیما جس کا تھا آئینۂ ایماں
سلام اس پر کہ سینہ جس کا تھا گنجینۂ عرفاں

سلام اس پر کہ تھا نورِ قدم کا پیکرِ آخر
سلام اس پر کہ تھا حسنِ ازل کا مظہرِ آخر

سلام اس پر ملا پیغمبر اُمّی لقب جس کو
سلام اس پر دیا خود وحی نے درسِ ادب جس کو

سلام اس پر فدا تھا صاحبِ عرشِ بریں جس کا
سلام اس پر جمال افروز تھا روح الامیں جس کا

سلام اس پر کہ تھی جس کی صفت فرقانِ یٰسین
سلام اُس پر بتائے جس نے دین کے حکمت و آئین

سلام اس پر رگِ فطرت کو بخشی زندگی جس نے
سلام اس پر رُخِ ہستی کو دی تابندگی جس نے

سلام اس پر کتابِ قدس ہے نعت و ثنا جس کی
سلام اُس پر زبانِ وحی ہے رمز آشنا جس کی

سلام اس پر ہیں جس کی جلوہ گاہیں یثرب و بطحا
سلام اُس پر کہ جس کی خواب گہ ہے گنبدِ خضرا،

سلام اس پر جوارِ پاک جس کا رشکِ سینا ہے،
سلام اس پر دیارِ محترم جس کا مدینہ ہے،

صدیقینِ نبوت

یہ اصحابِ نبی سب مظہرِ شانِ نبوت ہین — ادا سنجِ رسالت ہین ادا دانِ نبوت ہین

خزینے ان کے سینے کیون نہ ہون انوارِ حکمت کے — کہ یہ سرمایہ دارِ علم و عرفانِ نبوت ہین

جلالت کے لئے ان کی فقط اتنا ہی کافی ہے — کہ یہ سرتا قدم سرشارِ فیضانِ نبوت ہین

یہی ہین رونقِ کاشانۂ پیغمبرِ عالم — یہی نقش و نگارِ قصر و ایوانِ نبوت ہین

وہ جو گنجینہ دارِ جلوۂ شمعِ رسالت ہین — وہ جو آئینہ دارِ روئے تابانِ نبوت ہین

ازل ہی سے جمالِ روئے اقدس کے یہ پروانے — فدایانِ رسالت جان نثارانِ نبوت ہین

ملے ہین کس پیمبر کو صدیقؓ و عمرؓ ایسے — یہ اصحابِ گرامی درخورِ شانِ نبوت ہین

جہانِ قدس مین اللہ اکبر مرتبہ ان کا — حقیقت مین یہ صدیقین شایانِ نبوت ہین

خدا سے خود انھین مانگا ہے سرکارِ دو عالم نے — خدا شاہد ہے یہ سب جانِ ارمانِ نبوت ہین

قسم ہے حضرتِ صدیقؓ کی پاکیزہ فطرت کی — یہی دنیا مین پہلے مرتبہ دانِ نبوت ہین

نسیمِ قدس کی ذوق آشنا ہے سرخوشی اُن کی — کہ یہ روزِ ازل سے مستِ ریحانِ نبوت ہین

یہ سب رمز آشنائے رتبۂ شانِ رسالت ہین — یہ سب آئین شناسِ ذوقِ وجدانِ نبوت ہین

خبر ان سرخوشون کو خود نہین ہے اپنی ہستی کی — جہان مین اس طرح یہ مستِ اذعانِ نبوت ہین

ہجوم سرخوشی مین بے خبر ہین دونوں عالم سے — وہ صہبائی کہ سرمست خمستانِ نبوت ہین
ہر اک موجِ نفس اُن کی نویدِ روحِ ریحان ہے — کہ یہ دنیا مین نکہت بیزِ دامانِ نبوت ہین
علومِ اوّلین و آخرین ہین اُن کے سینوں مین — کہ یہ حکمت شناسانِ دبستانِ نبوت ہین
انھین دیکھو تو یہ سر تا قدم طورِ تجلّی ہین — کہ یہ خود مستفیضِ نورِ ایمانِ نبوت ہین
یہ رکھتے ہین اگرچہ شانِ صدیقی و فاروقی — مگر یہ واقعہ ہے سب کے سب جانِ نبوت ہین
چمک اُٹھے نہ کیون تاجِ خلافت آن لالی سے — کہ خود پروردۂ آغوشِ نیسانِ نبوت ہین
نہ ہوتے یہ تو یہ گنجِ گرامی کس طرح ملتا — زبانین اُن کی اب تک گوہر افشانِ نبوت ہین
یہی گلزارِ عالم مین نوا پیرائے وحدت ہین — یہی باغِ جہان مین نغمہ سنجانِ نبوت ہین

ترو تازہ ہے ان کے دم سے گلزارِ نبیؐ اب تک
یہ گویا سرو و ریحانِ گلستانِ نبوت ہین

اصحابِ رسالت

وفورِ شوق ہے اور عتبۂ بابِ رسالت ہے — جبین خامہ پھر سرگرمِ آدابِ رسالت ہے
بحمد اللہ بزمِ ذکرِ احبابِ رسالت ہے — نئے عنوان سے پھر مدحِ اصحابِ رسالت ہے

فلک تک ہے بلند آوازۂ حسنِ رقم میرا
ملائک چومتے جاتے ہین ہر نقشِ قلم میرا

تخیل ہے مرا پھر بزمِ طیبہ کا تماشائی — تصور مین ہے تازہ پھر کسی کی جلوہ فرمائی

وہی ہے محفل آرائی وہی ہے بادہ پیمائی   مشرف ہو رہے ہین ساقیِ کوثر کے صہبائی
رحیقِ صاف پیمانون مین پیہم ڈھلتی جاتی ہے
یہ عالم ہے دلون مین شمعِ عرفان جلتی جاتی ہے

رگِ جان مین حیات افزا وہ صہبائے صافی ہے   جو بیمارِ محبت کے لئے تریاقِ شافی ہے
بقدرِ تشنگی ہر رند سرگرمِ تلافی ہے   مگر ساقی کے مستون کے لئے اک جام کافی ہے
کہ یہ روزِ ازل سے سرخوشِ صہبائے عرفان ہین
نگاہِ مست ساقی کے اشارون کے اداداں ہین

حقیقت مین یہی سرشارِ فیضانِ نبوت ہین   یہی دراصل رندانِ خمستانِ نبوت ہین
یہی بزمِ جہان مین مظہرِ شانِ نبوت ہین   یہی آئینہ دارِ روئے تابانِ نبوت ہین
اُنہی کے سر پہ زیبا طرۂ تاجِ خلافت ہے
اُنہی کے واسطے دنیا مین معراجِ خلافت ہے

کسی کا فیضِ رافت مظہرِ شانِ جمالی ہے   کسی کی شانِ سطوت پرتوِ رنگِ جلالی ہے
کوئی سرتا بہ پا آئینہ شیرین مقالی ہے   یداللٰہی کسی کی وقفِ شمشیرِ ہلالی ہے
یہ شانِ رحمۃ للعالمینی کے مظاہر ہین
حقیقت مین رسالت کے یہی چارون عناصر ہین

تعلق ایک ہی مرکز سے رکھتے ہین یہ مہ پارے   طوافِ مہر مین مشغول رہتے ہین یہ سیارے
ہین روشن ایک ہی خورشید کے جلوون سے یہ تارے   شعاعِ پرتوِ خور سے فروغ انگیز ہین سارے

سپہرِ دینِ حق کے یہ وہ تابندہ کواکب ہیں
جو خود دہرِ درخشندہ کے ہم بزم و مصاحب ہیں

صفِ اصحاب میں اللہ اکبر شانِ صدیقی — امامت جس کی اذعانی خلافت جس کی تصدیقی
بصیرت جس کی عرفانی، فراست جس کی تحقیقی — قیادت جس کی تائیدی سیادت جس کی توثیقی

جہاں میں وہ رفیقِ اولین سرورِ عالم
صدیق غم گسار وہ جانشینِ سرورِ عالم

قلم اور مدح شانِ حضرتِ فاروق اعظمؓ کی — زبانِ خامہ اور توصیف اس عدلِ مجسم کی
تمنا سرورِ عالم کو تھی غرض جن کے مقدم کی — وہ جانِ آرزو یعنی شہنشاہِ دو عالم کی

جہاں کو یاد ہے اب تک کمالِ عہدِ فاروقی
جلالِ عہد فاروقی جمالِ عہدِ فاروقی

وہ تصویرِ رضا صبر مجسم حضرتِ عثمانؓ — کہ ہیں شیرازۂ بندِ وحی پاکُ جامعِ قرآن
وہ ذی النورین وہ ختنِ نبی وہ زبدۂ اعیان — کہ جن کا سینۂ پرنور تھا گنجینۂ عرفان

یہ صبر و شکر کے خاتم کے وہ روشن نگینہ ہیں
کہ گویا دین کی مجد و شرافت کا خزینہ ہیں

تعالی اللہ شانِ فقر و زور بازوے حیدرؓ — زمانہ آج تک کہتا ہے جن کو فاتحِ خیبر
نہاں اُن کی ید اللہی میں وہ شمشیر کے جوہر — صفِ اعدا تھی جس کے قہر سے زیر و زبر یکسر

نمونہ آپ کی تلوار تھی قہرِ الٰہی کا

صفِ کفار کو شکوہ تھا جس کی دنیا ہی کا

خلافت کے یہی وہ خاتم افروز آبگینے ہیں
مجلا جلوۂ شمعِ حرا سے جن کے سینے ہیں
یہی دنیا میں اخبار پیمبر کے سفینے ہیں
فروغِ پرتوِ مہرِ نبوت کے خزینے ہیں

جمالِ عارضِ سرورؐ سے روشن انکی آنکھیں ہیں
سراپا جلوہ گاہ برقِ ایمن اُن کی آنکھیں ہیں

یہی ہیں دہر میں سرچشمۂ پیغامِ الہامی
جہاں میں ہیں یہی وجہ فروغِ دینِ اسلامی
مسلّم دونوں عالم میں ہے ان کا رتبۂ سامی
ملا ہے ان کو دنیا ہی میں پیغامِ خوش انجامی

یہ ہیں راضی خدا سے اور راضی ہے خدا اُن سے
تر و تازہ ہے اب تک بوستانِ مصطفےٰؐ اُن سے

مدحِ صحابۂ کرامؓ

مسلمانوں پہ وا ہونے کو ہے رحمت کا دروازہ
نئی ترتیب پھر پانے کو ہے ملت کا شیرازہ
نوائے مدح سے بزمِ جہاں ہو گی پُر آوازہ
کریں گے عظمتِ اصحابِ ختم المرسلیں تازہ

تصدق عزت و اجلال جن کے نامِ نامی پر
فدا کر دیں گے جانیں اُن کے ناموسِ گرامی پر

فروغِ دین ہے کیا، اعجاز ایمانِ صحابہؓ کا
بیاں ہو وصف کیونکر ذوقِ عرفانِ صحابہ کا
ہے اسلام آج تک ممنون احسانِ صحابہؓ کا
بھلا کیا پوچھتے ہو مرتبہ شانِ صحابہ کا

یہ فرمانِ نبی ہے سب کے سب نجمِ ہدایت ہین
یہ سب آئینہ دارِ جلوۂ مہرِ رسالت ہین

انھین کے دم سے اب تک دہر مین اسلام زندہ ہے — خدا کا نام زندہ ہے نبی کا نام زندہ ہے
زبانِ وحی کا ہر نغمۂ الہام زندہ ہے — خدائے دو جہان کا آخری پیغام زندہ ہے

خدا نے خود جنھین وارث بنایا ہے خلافت کا
ہے جن کی زندگی معیار اسلامی شرافت کا

فرشتون سے بھی بڑھ کر اُن کی شانِ امتیازی ہے — وہ رشکِ قدسیانِ عرش جن کی پاکبازی ہے
وہ جن کو دونون عالم مین نویدِ سرفرازی ہے — رسول اللہ کو محبوب جن کی دل نوازی ہے

وہ جن کو سرورِ عالمؐ نے یارِ غار فرمایا
محبت سے جنھین خود محرمِ اسرار فرمایا

مجلا جن کے سینے شمعِ عرفانِ نبوت سے — منور جن کی آنکھین روئے تابانِ نبوت سے
وہ جن کی زندگی سرخوشِ خمستانِ نبوت سے — وہ جن کا ہر نفس سرشارِ فیضانِ نبوت سے

جسے دیکھو وہ تھا خم خانۂ وحدت کا صہبائی
نگاہِ ساقیِ کوثر کے جلوون کا تمنائی

قسم ہے حضرتِ صدیقؓ کی شانِ جمالی کی — قسم ہے حضرتِ فاروقؓ کے رنگِ جلالی کی
قسم عثمانؓ کے صبر و رضا کی بے مثالی کی — قسم ہے فاتحِ خیبر کے شمشیرِ ہلالی کی

جہان مین جو ہے منکر اُن کی اسلامی جلالت کا
وہ منکر ہے نبوت کا وہ منکر ہے رسالت کا

یادِ رفتگاں

نذرِ عقیدت

بہ آستانۂ شبلیؔ

خوشا وہ دن کہ یوسف زینتِ آغوشِ کنعاں تھا
وطن کا گوشہ گوشہ معدنِ لعلِ بدخشاں تھا

تمہیں بھی یاد ہے اے آسمانِ علم کے تارو!
کبھی تم میں ضیا افروز اک ماہِ درخشاں تھا

وہ ماہِ جلوہ آرا جس کی نورانی شعاعوں سے
وطن کا ذرہ ذرہ آفتابِ علم و عرفاں تھا

عزیزِ مصرِ فن جس کے فیوضِ حسنِ معنیٰ سے
یہ شہرستانِ دانش مدتوں تک یوسفستاں تھا

وہ رمز آگاہ جس کا سینہ حکمت کا خزینہ تھا
وہ بینا جس میں عمانِ معانی موج طوفاں تھا

نوائے رازِ پر جس کے سروشِ آسماں صدقے
صریرِ کلک پر جس کے دبیرِ چرخ رقصاں تھا

غزالیؔ اور رازیؔ محرمِ اسرار تھے جس کے
ظہیرؔ فاریابی جس کا اک طفلِ دبستاں تھا

وہ جس کی ہر نظر سرمستِ جامِ ہوش و آگاہی
وہ جس کا ہر نفس رمز آشنائے علم و عرفاں تھا

وہ دورِ بادۂ حکمت تھا اس کے فیض سے جاری
کہ جس کا جرعہ کش دشتِ عرب سے تا بہ ایراں تھا

وہ جوش اٹھا تھا موجِ بادۂ رنگینِ مشرق سے
کہ جس کے شور سے خمخانۂ مغرب میں طوفاں تھا

منور ہو گئی تھی بزمِ ملت کثرتِ ضو سے
کچھ ایسا ہر طرف فیضِ فروغِ شمعِ عرفاں تھا

کبھی تھا آستانِ پاکِ سرور پر سر افگندہ | کبھی خود جستجوے راز مین سر در گریبان تھا
کبھی گلدستہ بندِ سیرتِ پیغمبرِ عالم | کبھی حکمت طراز نکتہ ہاے علم و عرفان تھا
صحیفہ لیکے حاضر تھا کبھی عشق و عقیدت کا | مگر یہ ارمغان اُس درگہِ عالی کے شایان تھا
رہا کرتے تھے ہر دم جس پہ قدسی ناصیہ فرسا | گداے بینوا اُس آستان پر گوہر افشان تھا
ملک جس کی نگارش کا مثنیٰ لیتے جاتے تھے | فلک معمور تھا جس کی نوا سے وہ انسان تھا
نگارستانِ چین صدقے تھا جس کے حرفِ رنگین پر | تصدق جس کے نقشِ کلک پر نقشِ سلیمان تھا
وہ فخرِ حافظ و خسرو وہ نازِ سعدی و سلمان | کہ ہند اس کی بدولت رشکِ شیراز و صفاہان تھا
وہ نقادِ معانی صاحبِ شعر العجم یعنی | عرب سے تا عجم جس کی نوا سنجی پہ رقصان تھا
شرف اس کا مسلّم تھا جہانِ علم و دانش مین | تفوق اُس کا دنیاے معارف مین نمایان تھا
خطابت مین ادب مین نقدِ فن مین نکتہ سنجی مین | وحیدِ عصر و فخرِ روزگار و نازِ دوران تھا

کہین صدیون مین ہوتا ہے یہ فیضِ خاصِ ربانی
نہین اٹھتے ہمیشہ دہر مین شبلیِ نعمانی

مولانا محمد علیؒ کے غم مین
چند قطرۂ خونین

اے کہ تیرے دم سے شور آگین فضاے کائنات | اے کہ تیری ہر نوا ملت کو پیغامِ حیات
اے کہ فطرت مین تری بے تابیِ امواجِ برق | اے تپش آموزِ مشرق اے حیات افروزِ شرق

اے کہ تیرے نعرہائے حق سے باطل پاش پاش
اے کہ تیری ذات ناحق کو پیام دور باش

اے کہ تیرے دم سے قائم جلوۂ دار و رسن
اے کہ تازہ تجھ سے جانبازی کا آئین کہن

آج کیون اے مستیٔ ہنگامہ آرا ہے خموش
کیون فضائے ہند ہے اس درجہ محروم خروش

اے نوا سنج وطن اتنی خموشی کس لئے
اپنے مشتاقون سے آخر چشم پوشی کس لئے

تم نے چھوڑا تھا وطن حق کی حمایت کے لئے
مجلس شاہی مین اعلان صداقت کے لئے

تھا اسی مقصد سے یہ عزم جہان حریت
جا کے لائین گے وطن مین ارمغان حریت

مر کے تم نے بات رکھ لی کشور آزاد مین
پھر قدم رکھا نہ اس خاک غلام آباد مین

تو کہان گم ہو گیا اے یوسف ہندوستان
آج کنعان وطن ہے غم مین تیرے خونفشان

مادر ہندوستان ہے غم مین تیرے سوگوار
عالم اسلام فرط درد و غم سے اشکبار

اک فقط ہندوستان تنہا نہین ہے غم کدہ
ایشیا کا چپہ چپہ بن گیا ماتم کدہ

ملت اسلام کی آنکھون کا تارا چل بسا
ملک و ملت کی امیدون کا سہارا چل بسا

بخت بیدار وطن تھے آپ خود کیون سو گئے
اس قدر اے مہربان نامہربان کیون ہو گئے

حق سدا ملت پرستی کا ادا کرتے رہے
قوم پر تم جان تک اپنی فدا کرتے رہے

مرتے دم تک خدمت ملت سے باز آئے نہ تم
عذر کوئی بھی زبان پر آج تک لائے نہ تم

مرنے والے رہنما تجھ کو ہے اس کی بھی خبر
اک جہان ہے غم مین تیرے کس طرح آشفتہ سر

کاش ہو جائے سوئے واہان رنگین اک نظر
دیدنی ہے آج خون افشانی قلب و جگر

کچھ تجھے معلوم ہے ہوتا ہے کیا تیرے لئے
دونون عالم مین ہے ہنگامہ بپا تیرے لئے

قدس کے طائر وہاں نغمہ سرا تیرے لئے
اور یہاں اک حشر ماتم ہو بپا تیرے لئے

دیدنی نزہت گہِ جنت کی آرایش ہے آج
ہر چمن پر جلوۂ انوار کی بارش ہے آج

تیری تشریف آوری کی دھوم ہے چاروں طرف
پیشوائی کو کھڑے ہیں اہلِ جنت صف بہ صف

بابِ جنت پر ہیں بی اماں سراپا انتظار
ساحتِ فردوس میں حوریں قطار اندر قطار

آہ اب فردوس میں اس شان سے جاتا ہے تو
داغ دیکے ہم کو ہندوستان سے جاتا ہے تو

عالمِ غربت کی وقتِ مرگ تو نے سیر کی
پیش گوئی سچ ہوئی آخر دیارِ غیر کی

موت نے کھینچا وطن سے دور تیری خاک کو
بیکسی کی شرم رکھنی تھی خدائے پاک کو

آہ! ذوقِ حق پرستی تجھ کو لندن لے گیا
جذبِ خاکِ قدس تجھ کو سوئے مدفن لے گیا

آج فرشِ خاک پر ہے وہ تری آرامگاہ
ساکنانِ عرش اُترتے ہیں جہاں شام و پگاہ

بوسہ گاہ قدسیانِ پاک ہے تیرا مزار
تجھ پہ نازل ہو رہی ہے رحمتِ پروردگار

ماتمِ انصاری

یہ جوشِ نالۂ غم یہ نوائے گریہ و زاری
رہے گی چشمِ ملت حشر تک وقفِ گہرباری

قیامت تک وطن کو خون کے آنسو رلائیگی
ہے یارانِ ہمدم آپ کی یہ گرم رفتاری

ضرورت تھی کہ انصاری بھی اس محفل میں جا پہنچیں
جہاں تھے بزم آرا خلد میں یارانِ انصاری

کہیں ہیں کار فرما اجمل و جوہر کہیں شبلی
وہاں بھی ہے امیرِ وفد کے مقدم کی تیاری

نگاہیں آج فرشِ راہ ہیں تری شہیدوں کی — کہ وقتِ جاں سپاری تم نے کی تھی ان کی دلداری
یتیموں اور بیواؤں کے غم خوارانِ رفتہ سے — مگر لینے گئے ہیں آپ دادِ سعیِ غم خواری
سکوں ناآشنا دل درد سے ہر دم تڑپتا تھا — کہ پایا تھا ازل سے آپ نے ذوقِ دل افگاری
مسیحِ ملتِ بیمار دنیا تم کو کہتی تھی — دمِ عیسیٰ سے بڑھ کر تھی تمہاری نرم گفتاری
وداعِ روح تک تڑپا کیا دل دردِ ملت سے — رہا کیں آخری دم تک وہ آنکھیں وقفِ خوں باری
جہادِ حریت کے آپ وہ تنہا مجاہد تھے — صفِ اعدا کو اب تک یاد ہے جس کی جگر داری
ابھی کل تک امیرِ عسکرِ احرارِ ملت تھے — وطن نے تم کو دی تھی مجلسِ قومی کی سرداری
قدِ والا شرف بخشِ قبائے رہنمائی تھا — سرِ اقدس پہ زیبا تھی کلاہِ فخرِ مختاری
وقار اس "بزم"[1] کا تھا اک تمہارے دم سے وابستہ — امانت تھیں تمہیں خاکِ وطن کی عظمتیں ساری
مگر اب یہ چمن صد حیف تاراجِ حوادث ہے — کہ زیرِ خاک پنہاں ہے کرم کا چشمۂ جاری
ترے احسان سے گردن جھکی جاتی ہے ملت کی — کہاں سے لائے اب یہ ناتواں تابِ گراں باری
سہے گی جامعہ اب عمر بھر صدمے یتیمی کے — رہے گی سوگوارِ ماتمِ جانکاہِ انصاری
ودیعت ہے تری آغوش میں اے خاکِ ملیہ[2] — شبستانِ وطن کا آفتابِ صبحِ بیداری
مگر اس کی تجلی خاک میں بھی چھپ نہیں سکتی — رہیں گی اس کی کرنیں حشر تک گرمِ ضیا باری
پیامِ آفریں اے سرفروشِ مشہدِ ملت — سلامِ آخریں اے سرفرازِ رحمتِ باری

---

۱ کانگریس،

۲ جامعہ ملیہ،

وداع اے ساکنِ دارالسلام ای عازمِ جنت
فراق اے طائعِ ہندوستان کے عہدِ بیداری

ترے غم مین دلِ ہندوستان کیونکر نہ ہو پر خون
نہ اٹھا تیرے جیسا چارہ سازِ ملتِ محزون

آہ مولانا شوکت علی

اُف غمِ روزگار کی باتین
دہرِ ناپایدار کی باتین

جو سے ایک دم قرار نہین
آہ لیل و نہار کی باتین

اس خزان آشنا زمانہ مین
کیا سنائین بہار کی باتین

دل جو پہلو مین ہو تو اب سنئے
دیدۂ اشکبار کی باتین

ہو گیا آہ آج وہ رخصت
یاد ہین جس کی پیار کی باتین

کس کو اب بے قرار کردین گی
ملتِ دل فگار کی باتین

کون ہے جو سنے گا اب یارب
اُمتِ سوگوار کی باتین

قوم کو کون اب سکھائے گا
ہمتِ استوار کی باتین

برق سے بڑھ کے کام کرتی تھین
شوکتِ نامدار کی باتین

وہ زبان کیا تھی تیغِ جوہر دار
جس مین تھین ذوالفقار کی باتین

تیغِ ابرو کے ہر اشارے مین
خنجرِ آبدار کی باتین

تھین سراپا پیامِ جوشِ جہاد
اس مجاہد شعار کی باتین

تا ابد اشکِ خون رُلائین گی — آہ شوکت کی پیار کی باتین
کانپ اٹھتا تھا لشکرِ باطل — آہ کوہِ وقار کی باتین

اب کہان آہ شوکتِ ملت
آئینہ دارِ عظمتِ ملت

اب کہان وہ وفا شعار افسوس — خادمِ کعبہ صد ہزار افسوس
ہند سے لے کے تا بہ خاکِ حجاز — غم مین کس کے ہے سوگوار افسوس
اٹھ گیا وہ مجاہدِ اعظم — تھا جو اسلام پر نثار افسوس
اس بہادر سے ہو گئی خالی — صفِ میدانِ کارزار افسوس
چل دیا چھوڑ کر غلامون کو — ملکِ ملت کا تاجدار افسوس
آج خود شیرِ بیشۂ اسلام — ہو گیا موت کا شکار افسوس
وہ زعیمِ فخیم اب نہ رہا — جس سے تھا قوم کا وقار افسوس
دشمنون سے مقابلہ کے لئے — تھا وہ اک سدِّ استوار افسوس
ہو گیا دفن خاکِ دہلی مین — شوکتِ قوم کا منار افسوس
سرفروشانِ ملک و ملت کا — مایۂ ناز و افتخار افسوس
جرأت و شوکت و بسالت کا — پیکرِ ہمت و خاندار افسوس
مٹ گئی ہائے بزمِ دنیا سے — آج جوہر کی یادگار افسوس
گلشنِ آرزوئے ملت کی — خاک مین مل گئی بہار افسوس

شدتِ غم سے کیوں نہ ہو جائے ‏ دامنِ صبر تار تار افسوس
صدمۂ ابتلائے پیہم سے ‏ دلِ ملت ہے داغدار افسوس

ہیں ہرے آج زخمہائے جگر
آہ تازہ ہوا غمِ جوہر

اُٹھ گیا وہ مجاہدِ اسلام ‏ حق ہے گر وقفِ غم ہوں مصر و شام
وہ مجاہد کہ زندگی جس کی ‏ تھی سراپا جہاد کا پیغام
وہ اولوالعزم قائدِ ملت ‏ جس سے تھی تازہ شوکتِ اسلام
وہ بہادر کہ ہر ادا جس کی ‏ جرأت آموزِ صد دلِ ناکام
وہ وطن دوست جس نے پہنچایا ‏ گوشہ گوشہ میں حریت کا پیام
تھا وہی زیبِ مسندِ اسلاف ‏ تھا وہی آج جانشینِ عظام
اجل و جوہر و تصدق کا ‏ اُس کی ہستی پہ ہو گیا اتمام
آہ ہوتے ہیں اب کہاں پیدا ‏ ایسے عالی ہمم زعیم ہمام
عہدِ حاضر کے سرفروشوں میں ‏ اس مجاہد کا تھا بلند مقام
تھا وہ ملت کا قائدِ محبوب ‏ تھے فدا اس پہ سب خواص و عوام
روز و شب جد و جہد بے پایاں ‏ تھا یہی اُس کی زندگی کا نظام
مرتے دم تک شکست دے نہ سکی ‏ اس کی ہمت کو گردشِ ایام ۱۵
رشک ہے اس کی موت پر سب کو ‏ مر کے پائی ہے وہ حیاتِ دوام

روئے جی بھر کے آج اے ملت — کہ ہے اب یہ وداع کا ہنگام
اب وہ پیکر نظر نہ آئے گا — یونہی ہوتی رہیں گی صبح اور شام
تھکنے والے تجھے مبارک ہو — ابدی خوابگاہ کا آرام
تیری روحِ عظیم پر صدقے — نعمتِ باغِ خلد کا انعام
ہو قبول اے مسافرِ جنت — ہم غلاموں کا بھی درود و سلام

آج مختار روح جوہرِ اقبال
سبھی حاضر ہیں بہرِ استقبال

ماتمِ اقبال

کس کے غم میں وقفِ شیون ہے فضائے باغِ دہر — خون سے لبریز ہیں کیوں لالہ و گل کے ایاغ
آہ اے اقبال! اے مرغِ نوا سنجِ حیات! — ہو گیا محروم نغموں سے ترے مشرق کا باغ
شاعرِ اسلام سے خالی ہوئی بزمِ وجود — سینۂ ملت نہ کیوں ہو فرطِ غم سے داغ داغ
اُف کہوں کیونکر کہ تیری شمعِ ہستی بجھ گئی — بجھ گیا صد حیف بزمِ علم و عرفاں کا چراغ
تھی تجھی سے ہند میں قندیلِ حکمت ضوفشاں — اے حکیمِ دیدہ ور اے عارفِ روشن دماغ
تو نے پایا تھا ازل سے سوزِ سلمانؓ و اُویسؓ — تیری بزمِ دل میں روشن تھا محبت کا چراغ
اللہ اللہ یہ جنونِ شوق کی وارفتگی — عمر بھر تو نے لگایا کوئے جاناں کا سراغ
ہر نفس تیرا تھا ملت کے لئے یکسر پیام — تیری ہستی آخری دم تک رہی وقفِ بلاغ

کون اب ہم پر کرے گا فاش اسرار و رموز — فکر کس کا اب لگائے گا حقیقت کا سراغ
تھا جو کل عقدہ کشائے کش مکش گاہِ حیات — پا گیا وہ خود کشاکش ہائے ہستی سے فراغ
الوداع اے ملتِ اسلام کے روشن دماغ — الفراق اے عالمِ توحید کے چشم و چراغ

آہ اب دنیا سے وہ اسرار کا حامل گیا
اس جہانِ آب و گل کا عارفِ کامل گیا

خاکدانِ دہر مین ملتا تجھے کیون کر قرار — خلد مین تھا مرشدِ رومی کو تیرا انتظار
شوق مین جس کے بچھین اک مدت سے آنکھین فرشِ راہ — آگیا خود آج وہ دیرینہ یارِ غمگسار
رومی و رازی کہین ہین سینا و فارابی کہین — خیر مقدم کو کھڑے ہین سب قطار اندر قطار
کہہ رہا ہے بے خودی مین شاعرِ المانوی — مرحبا اے ہمدم و ہمرازِ جانِ بیقرار
قدسیانِ پاک مین بھی ہے یہ غوغا چار سو — آگیا ہان آگیا وہ لامکان کا رازدار
قدس کی خلوت سرائے راز کا وہ پردہ در — خاکیون کی فطرتِ بے تاب کا آئینہ دار
آگیا وہ آب و گل کا ترجمانِ خود شناس — ہوشیار اے ساکنانِ عالمِ جان ہوشیار
آہ اے اقبال اے ملت کی جانِ آرزو — چھوڑ کر مشرق ہوا تو عازمِ دار القرار
بلبلِ مشرق ہوا خاموش ہے واحسرتا — کس کے نغمے دین گے اب ملت کو پیغامِ بہار
آہ وہ دانائے اسرارِ پیامِ صبح و شام — آہ وہ رمز آشنائے گردشِ لیل و نہار
اب کہان ہے وہ ادا دانِ مزاجِ کائنات — اب کہان ہے آہ وہ فطرت شناسِ روزگار
جستجوئے راز مین کل تک تھا وقفِ پیچ و تاب — فکر تیرا آج ہے لطفِ سکون سے ہمکنار

تو وہان سرخوش ہے موجِ کوثر و تسنیم سے
تشنہ کامانِ نگاہِ فیض ہین یان بے قرار

تو وہان آسودۂ خلوت سرائے قدس ہے
مشرق و مغرب یہان ہین تیری غم مین سوگوار

دید کے قابل ہے یہ ہنگامۂ آشوبِ غم
ہان دمے بردار سر اکنون ز بالینِ مزار

آج ہین سونے پڑے حکمت کے میخانے تمام
خونفشان ساقی کے غم مین ہین خُم و میناؤ جام

اے حیات افروز مشرق یہ تری آرامگاہ
تا قیامت اب رہے گی آستانِ مہر و ماہ

لیکے سوغاتین درودون کی قطار اندر قطار
نوریانِ عرش اُترین گے یہان شام و پگاہ

ہان رہے گی حشر تک اب مہبطِ انوارِ قدس
عارفِ شوریدۂ اسلام کی یہ خوابگاہ

آسمان اس پر کرے گا گوہرِ انجم نثار
ہون گے ذرہ ذرہ پر اس کے تصدق مہر و ماہ

چپہ چپہ ہوگا اربابِ نظر کی سجدہ گاہ
ذرہ ذرہ دیدۂ افلاک کا نورِ نگاہ

ہان بنے گی مرکزِ سیارگانِ علم و فن
آفتابِ جلوہ بارِ شرق کی یہ جلوہ گاہ

تھی پرے کل سرحدِ ادراک سے منزل تری
کیا خبر ہے آج کس عالم مین تیری پایگاہ

کون جانے جلوہ فرما آج کس محفل مین ہے
"گنبدِ دربستہ" کے آگے تھی کل تک تیری راہ

اب کہان ہے آہ وہ دیوانۂ بالغ نظر
تھی فروغ انگیزِ مہر و ماہ جس کی گردِ راہ

ہے عرب سے تا عجم غم مین ترے ماتم سرا
اے نوا پیرائے باغِ قدس ادھر بھی اک نگاہ

اب نہ وہ شورِ نوا ہے اور نہ پیغامِ حیات
کیا نہین اب غم فزا اسلام کا حالِ تباہ

تیرے ماتم مین سیہ پوش آج ہے اُمّت تمام
ہر لبِ مومن پہ جوشِ غم سے ہے فریاد و آہ

اُسے مقدّر تھا ازل سے یہ غمِ صبر آزما
دیکھنا تھا ایک دن ملت کو یہ روزِ سیاہ

اُٹھ گیا دنیا سے وہ شوریدۂ خاکِ حرم
ہے بجا گر یثرب و بطحا ہوں وقفِ دردو غم

آہ اقبال

یونہی ہوتے رہیں گے حشر تک شام و سحر پیدا
نہ ہوگا اب مگر اقبال سا صاحب نظر پیدا

ملا تھا تجھ کو جو روزِ ازل فیضانِ فطرت سے
کہاں ہر پیکرِ خاکی میں وہ سوزِ جگر پیدا

نہ اٹھا پھر کوئی رمزِ انا کا عارفِ کامل
ہوا تھا ایک تو ہی خود شناس و خودنگر پیدا

تڑپتا ہی رہے گا ذرّہ ذرّہ خاکِ مشرق کا
تری معجز نوائی نے کیا ہے وہ اثر پیدا

دیا ہے آب و گل کو تونے وہ درسِ پرافشانی
کئے ہیں قطرۂ شبنم نے بھی اب بال و پر پیدا

کیا ملت کو پھر ذوقِ یقیں سے آشنا تونے
ترے دم سے ہوئی پھر چشمِ باطن میں نظر پیدا

ہوئیں تجھ سے نوائے صبح میں کیفیتیں پیدا
دلِ درد آشنا میں لذتِ آہِ سحر پیدا

ز سرتا پا یقیں، مست خودی، وقفِ خودآگاہی
کہاں اب دہر میں ہوتے ہیں ایسے باخبر پیدا

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

غمِ اقبال

اٹھا ہے کون کہ اُجڑی ہے محفلِ عالم
منا رہا ہے زمانہ یہ آہ کس کا غم

سیاہ پوش ہین کیون آج مشرق و مغرب
بچھی ہے کس کے لئے دہر مین صفِ ماتم

عطا ہوئی تھی جو صدیون کی آرزوؤن سے
فغان کہ لُٹ گئی وہ بے بہا متاعِ عجم

شرابِ خم کدۂ روم جس مین ڈھلتی تھی
ہزار حیف کہ وہ بزم ہو گئی برہم

اٹھا نہ کوئی بھی تجھ سا دیارِ مشرق سے
صدائے ساز و نوا ہائے راز کا محرم

ترا ضمیر تھا اسرار کا وہ آئینہ
کہ جس مین عکس فگن تھا رُخِ وجود و عدم

تری نظر مین تھا بے پردہ آب و گل کا جمال
تری نگاہ پہ روشن تھی فطرتِ آدم

پیام بر تھا تو دنیا مین اوج و رفعت کا
کہ تھا تو واقفِ پُر رازِ قطرۂ شبنم

ہر ایک حرف مین تیرے تھا نغمۂ الہام
صدا سروش کی تھی یا تری نوائے قلم

حصولِ عظمتِ پارینہ کی تمنا مین
رہا ہمیشہ تو ہمت نوازِ "خیمۂ امم"

تجھے سُناتی تھی نغمے نسیمِ خاکِ حجاز
کہ تھا غلامِ غلامانِ سرورِ عالم

جنون نواز تھی از بس ہوائے منزلِ دوست
اسی کے شوق مین کرتا تھا نالۂ پیہم

وہی تھی غایتِ آہ و فغانِ نیم شبی
اسی کی خاک تھی مقصودِ دیدۂ پُرنم

کہان ہے آج وہ سرشارِ دینِ پیغمبر
کہ جس کے شورِ نوا پر فدا تھی خاکِ حرم

ماتمِ کمال

اے ترک اے مجاہدِ اسلام اے کمال
ماتم میں سرنگوں ہے ترے پرچمِ ہلال

مرنا ترا قیامتِ کبریٰ سے کم نہیں
لیکن عرب سے تا بہ عجم غم سے ہے نڈھال

سارے جہان میں ہے صفِ ماتم بچھی ہوئی
سب کو کمال غم ہے کہ ہے یہ "غمِ کمال"

ہستی تری تھی شرق کی وہ تیغِ آبدار
حملوں سے جس کے عرصۂ مغرب تھا پائمال

بازو ترے تھے حاملِ سیفِ یدُاللّٰہی
زندہ تھی تجھ سے خالدِ جانباز کی مثال

دی جس میں شاطرانِ زمانہ کو تو نے مات
دنیا کو یاد ہے وہ تری بازیٔ قتال

لرزاں تھیں تجھ سے مشرق و مغرب کی ڈوبیاں
پہونچا تھا چار سو ترا آوازۂ جلال

کھینچا ہے تیری تیغ نے جو نقشِ زندگی
اس کو مٹا سکے یہ زمانہ کی کیا مجال

وہ قوم جس پہ ملتِ مردہ کا تھا گمان
بخشی ترے نفس نے اسے روحِ لازوال

اللہ رے بہار کی معجز نمائیاں
اجڑے چمن کو از سرِ نو کر دیا نہال

سچ یہ ہے ترے عہد نے پھر تازہ کر دیا
عثمانیوں کی عظمتِ پارینہ کا جمال

اے غازیِ یگانۂ دیں اے نقیبِ شرق
دیکھے گی اب نہ چشمِ زمانہ تری مثال

خطاب بہ ملتِ افغان

بر واقعۂ شہادت جنرل نادر شاہ مرحوم

جو کچھ تو نے کیا اچھا کیا اے ملتِ افغان
ترے اندازِ ذوقِ خنجر اندازی کے مین قربان

خبر بھی ہے کہ اس آغاز کا انجام کیا ہوگا
تری اس سعیِ نا محمود کا اتمام کیا ہوگا

ہمین رونا ہے اے بدبخت اس غفلت پرستی کا
بکھرنے کو ہے شیرازہ ترے اوراقِ ہستی کا

بساطِ دہر سے مٹ جائے گا نام و نشان تیرا
زمانہ صرف رہ جائے گا اک افسانہ خوان تیرا

یہ مانا تیغ کے جوہر ہین پنہان تیری فطرت مین
یہ مانا جنگ کے شعلے ہین مضمر تیری طینت مین

یہ مانا برقِ سوزان ہے ودیعت تیری خلقت مین
یہ مانا آتشِ پیکار ہے تیری جبلت مین

یہ مانا قتل و خونریزی ہے داخل تیری سیرت مین
یہ مانا گرمیِ ہنگامہ ہے تیری طبیعت مین

یہ مانا آتشِ سیال ہے تیری رگ و پے مین
یہ مانا ہے بلا کی شورش و مستی تیری مے مین

یہ مانا تیغ کے سایہ مین تو نے پرورش پائی
یہ مانا تو نے رعد و برق سے سوز و تپش پائی

یہ مانا سرخیِ خون سے تیری تاریخ رنگین ہے
یہ مانا تیری فطرت کا تقاضا رقصِ خونین ہے

زبانون پر ہے افسانہ ترے جوشِ شجاعت کا
زمانہ معترف ہے تیری ترکانہ شہامت کا

جہان ہے لرزہ بر اندام تیری عسکریت سے
ہزبرانِ دلاور کانپتے ہین تیری ہیبت سے

مسلم ہے زمانہ مین ترا آئینِ جان بازی
تجھے ہے جنگ جو اقوام مین حاصل سرفرازی

مگر اے ملتِ خودکام یہ کس کے مقابل مین
مگر اے عبرتِ اقوام یہ کس کے مقابل مین

یہ صہبائے کہن سے آہ تیری سرخوشی کب تک
یہ فرطِ غیظ سے ظالم تیری محسن کشی کب تک

گرانی تھی جسے برقِ بلا اعدا کے خرمن پر
وہ تیغ خونفشاں چلتی ہے اب خود اپنی گردن پر

مٹایا تو نے ظالم آہ اُس غازی کی ہستی کو
بلند آکر کیا جس نے لوائے حق پرستی کو

چھڑایا تجھ کو آکر پنجۂ سفاک سے جس نے
بچایا تجھ کو اک طوفانِ خون و خاک سے جس نے

وہ غازی ڈوبتی کشتی کی جس نے ناخدائی کی
صفِ باطل سے تنہا جس نے قوت آزمائی کی

بچا لی دستِ غارت گر سے تیری آبرو جس نے
خزاں دیدہ چمن کو دی بہارِ رنگ و بو جس نے

نکالا جس نے تجھ کو پستیٔ قعرِ مذلت سے
نگاہیں آشنا کر دیں فضائے اوجِ رفعت سے

دبایا جس نے سیلابِ تفرنج کے تلاطم کو
دماغوں سے مٹایا غیر کے ذہنی تحکم کو

محاسن ہی فقط حاصل کئے درسِ تمدن سے
نہ الجھا خار سے دامن لٹے یوں پھول چُن چُن کے

اچھالا نام ملک و قوم کا اقوامِ عالم میں
نئے سر سے کیا شانہ وطن کی زلفِ برہم میں

نشاطِ کامرانی ہر دلِ افسردہ کو بخشی
بہارِ رنگ و بو پھر گلشنِ پژمردہ کو بخشی

ضیا اندوز تھا، ذروں سے تیری مہر نورانی
درخشاں کس قدر تھا تیرا دورِ نشاۃِ ثانی

دوبارہ اس کے دم سے قالب مردہ میں جان آئی
زمانہ کو دکھایا اُس نے اعجازِ مسیحائی

شریعت پر تھا مبنی اس کا آئینِ جہانبانی
دلِ بیدار تھا لذت شناسِ ذوقِ ایمانی

شعارِ دین پہ قائم اس کی تدبیر و سیاست تھی
صدائے حق کے آگے سر بسجدہ اس کی سطوت تھی

بظاہر گرچہ وہ اجلالِ شاہانہ کا حامل تھا
حقیقت میں مگر روشن نفس درویش کامل تھا

زسرتاپا یقین تھا صاحبِ ایمانِ محکم تھا
یقیناً عالمِ اسلام کا صندیدِ اعظم تھا

مدبر تھا، مفکر تھا، بہادر تھا، مجاہد تھا
سرِ اورنگ قیصر تھا، سرِ سجادہ زاہد تھا

امیرِ کشورِ جان تھا، جہانگیر و جہاں بان تھا
بہارِ باغِ ایمان تھا چراغِ بزمِ عرفان تھا

معارف کا مُبلّغ، حکمت و دانش کا داعی تھا
وقارِ ملک و ملّت کے لئے گرمِ مساعی تھا

وطن کا مایۂ صد ناز فرزندِ گرامی تھا
وہ زورِ بازوے اسلام تھا ملّت کا حامی تھا

بظاہر گو وہ کابل کے اُفق پر جلوہ آرا تھا
مگر کل عالمِ اسلام کا روشن ستارا تھا

نہ اُٹھا دورِ آخر مین کوئی عالی ہمم ایسا
نہ دیکھا تھا ابھی تک صاحبِ سیف و قلم ایسا

کیا حق مرتے دم تک حبِ قومی کا ادا اُس نے
وطن کی راہ مین جانین لڑا دین بارہا اُس نے

ہزارون ہین مظاہر اُس کی شانِ خسروانی کے
ہین روشن کارنامے اُس کی فتح و کامرانی کے

وطن کا گوشہ گوشہ شاہد اس کی ترکتازی کا
فسانہ ذرّہ ذرّہ کی زبان پر دل نوازی کا

نہ دی کچھ داد تونے آہ اس کی سعیِ پیہم کی
نہ جانی قدر تونے آہ اس سالارِ اعظم کی

خود اپنے ہاتھ سے وہ ہستیِ نادر گنوائی ہے
نظیر اس کی نہ پائے گی نہ اب تک تونے پائی ہے

یہ ممکن ہے بھلا دے تو ستمگر اس کی خدمت کو
نہ روئے حشر تک اے قوم تو اس جانِ ملّت کو

مگر تڑپے گی صدیون موجِ کابل اسکی فرقت مین
وطن کی خاک لے گی اس کو آغوشِ محبت مین

عقیدت سے جگہ آنکھون مین دے گی ایسے جنرل کو
بُھلائے گی بھلا تاریخ کیون کر فاتحِ تل کو

جواب خطاب بہ ملّتِ افغان

روزنامۂ اصلاح کابل نے ۲۴ جنوری ۳۰ء کی اشاعت مین نظم "خطاب بہ ملّت افغان" کا فارسی مین ترجمہ

چھاپا، اس کے جواب مین کابل کے ایک نامور شاعر سرور خان صبا نے "جواب خطاب بہ ملت افغان" لکھ کر روزنامۂ مذکور مین شائع کیا، اس کے جواب مین مین نے شرح خطاب بہ ملت افغان لکھی، جو آیندہ صفحات مین درج ہے، پہلے صبا صاحب کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہین جن سے اُن کا مفہوم آشکارا ہوگا"

جہان شد بر تاسف اے خدا بر داغ ناسوم | بسوزد مہر و مہ را دل بحالِ چشم بے نورم
مصیبت دیدہ ام جان رفتہ از کف نزار و مہجورم | درین عالم نباشد جز فغان و نالہ منظورم

جدا شد از بر ما گوہر نایاب و طاقت ہم
دلم را سوختہ ہجران جان زارم را شماتت ہم

فلک بر ما عجب نرد دغا را باختی آخر | تو ما را زخمی تیرِ ملامت ساختی آخر
بحالِ خویش ما را یک دم نگذاشتی آخر | ندانستم ز نیرنگت چہ سودے داشتی آخر

نمودی کشورِ ما را سراے شیون و ماتم
نمودی در جہان ما را عجب افسانۂ عالم

عزیزان عالمِ ہجر است و چون آئینہ حیرانم | کبابِ داغِ ماتم شمعِ بزمِ سوگوارانم
سپند مجمرِ دردم زبانِ آہ و افغانم | چو نے فریاد می خیزد ومادم از رگِ جانم

بجا باشد کہ گویم شکرِ لطفِ غمشریکان را
بجان منت شناسم التفات دوستداران را

بہ اعظم گڈہ معارف تا قیامت جلوہ گر بادا | ہمیشہ با سلیمان خاتم و تختِ ہنر بادا
کمالِ لطف یحیٰی سے سخنور بیشتر بادا | مراین طوطیِ ہندی را دہان تنگِ شکر بادا

سرودہ نوحۂ جانکاہ برائے خسروِ لائق
ولے کردہ خطابِ قتلِ شہ بر ملتِ صادق

ہمی شاید حقیقت را نویسم بر جنابِ وی   زنم از دیدہ آبی بر دلِ آتش منابِ وی
گذارم مرہمے بر سینۂ ریشِ کبابِ وی   کنم از اشکِ فغان منطفی آن التہابِ وی

کہ ہم بزمِ پریشانی پریشان می توان گفتن!
بہ سودا روزِ روشن شامِ ہجران می توان گفتن

زبان تا چند باشی در خموشی نطق و تقریرے   ندارد طاقتِ گفتن زبان اے خامۂ تحریرے
چو در کارِ قضا بر ملتِ ما نیست تقصیرے   ز آہِ خلق می خواہم کنون امدادِ تاثیرے

"مرا دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخوان سوزد"

چو ممکن نیست یارے دم زدن در عالمِ امکان   کند تدبیر را تقدیرِ ایزد تابعِ فرمان
دریغا از دُرِ دُرّانیان و گوہرِ افغان   کہ گشتہ ہمچو گنجِ شائگان از دیدگان پنہان

درین کارِ قضا ہرگز قصورِ ملک و ملت نیست
وفادار است ملت جانی و اہلِ خیانت نیست

اگر بودہ یکے از فردِ ملت قاتلِ بے عار   کجا دارد کسے یاران سراغِ گلشنِ بے خار
نباشد بے وجودِ خوب و بد دنیائے حیرت بار   کم از اشخاصِ بد در ملتِ ما خوب شد بسیار

ہمی خواہم چو جانِ خویش ملت اہلِ خدمت را
نمی بینند بچشمِ کینہ اربابِ صداقت را

اگر در رفت از کف بے بدل دُر دانہ داریم
پریشان می نگردد زلفِ ما چون شانہ داریم

بقلبِ ایشیا در دہر از خود خانہ داریم
بہ اوجِ خود زگیتی گوش در افسانہ داریم

بود سالِ نکو را ظاہر آثارِ بہارانش
خوش آن زخمے کہ باشد مرہمے ظاہر بہ درمانش

شرح خطاب بہ ملّتِ افغان

نہ تنہا بودۂ آتش بجان اے قومِ غمخوارم
کہ از سوزِ درونِ من ہم فغان سنج دل افگارم

نہ تنہا نالۂ غم سرکنی در عالمِ ہجران
کہ از جوشِ غمت چشمِ جہانے گشتہ خون افشان

غمت تنہا غمِ تو نیست ہان ای ملّتِ محزون
یقین داری کہ قلبِ ایشیا از صدمات شد خون

نمرد صبحِ مسرت گر بہ چشمت شامِ ہجران شد
کہ آن مہرِ وطن افروز زیرِ خاک پنہان شد

دریغا در دمے ماتم سرا بزمِ عزیزان شد
کہ از یک موجِ صرصر کشتہ آن شمعِ فروزان شد

بہ این الطاف و اخلاصت چہ شکر ای مہربان گویم
نمی دانم چہ گویم، چند گویم یا چسان گویم

معارف با سلیمان مخزنِ علم و ہنر بادا
بہ بزمِ تو سلیمان با معارف جلوہ گر بادا

ہمیشہ آن بہ استقلالِ تو وقفِ دعا بادا
ہمیشہ این بہ شمعِ علم و عرفان رہنما بادا

الٰہی تا سلیمان خسروِ ملکِ ہنر باشد
صبا تختِ کمالش را بجائے بال و پر باشد

نبازاے قوم تو ہم سرورِ[1] شیرین بیان داری
نبازاے قوم تو ہم طوطیِ شکر فشان داری

[1] سرور خان ضیا

به آن بوسِ دل آویزِ تو ای موجِ تبسّم
به قرطاسِ نخودی با آن شمیمِ جانفزا از قم

کزان گلزارِ حرّیت به هندوستان فرستادی
قفس پرورده را از چمن ریحان فرستادی

به مهر و التفاتِ خاص لطفِ تازه فرمودی
بدینسان یک گدای بینوا را پایه افزودی

شناسایانه فرمودی شریکِ ماتمِ خویشم
نهادی از تلطّف مرهمی بر سینهٔ ریشم

ز فیضِ هم نوائی بر فلک بردی فغانم را
به آبِ دیده شستن خواستی داغِ نهانم را

بخود بالم که در چشمِ عزیزان عزّتی دارم
همی نازم که با تو ارتباط و نسبتی دارم

ولی با این تفاخر می خلد در سینه ام خاری
که داری از نوای آتشینم درد و آزاری

به سمعِ نازکت طرزِ فغانم ناصواب آمد
ترا ناخوش گوار از بنده اندازِ خطاب آمد

درین هنگامهٔ غم عذرِ من باشد که بپذیری
که باشد تلخیِ طرزِ فغان از فرطِ دلگیری

چگونه برجهد از سینه ام آهنگِ شادابی
که دارم یک دلِ درد آشنا و جانِ بیتابی

هزاران برقِ مضطر می طپد اندر رگِ جانم
دلی دارم که از فیضش سراپا شمعِ سوزانم

دلی دارم که دارد اضطرابِ برقِ بیتابی
دلی دارم که دارد از ازل تقدیرِ سیمابی

دلی دارم که از سوزِ نهانش دمبدم سوزد
دلی دارم که شمعِ در واز دودش برافروزد

دلی دارم که از فیضِ جراحت هاست سیپاره
دلی دارم که برقِ بیقراری راست گهواره

دلی دارم کز اشکِ داغِ حسرت آبِ گل دارد
دلی دارم که هر داغش جهانی مشتعل دارد

دلی دارم که از خونِ جگر لعل و گهر باشد
دلی دارم که از سوزِ نهان برق و شرر باشد

دلی دارم که صد مشقِ شکستن آرزو دارد
دلی دارم که از خونِ تمنا رنگ و بو دارد

دلے دارم کہ یک گنجینۂ مہر و وفا دارم
دلے دارم کہ یارب یک متاعِ بے بہا دارم

نمی دانی مگر تو آہ آن جوشِ عقیدت را
نئی آگاہ آن کیفیتِ دردِ محبت را

کہ در قلبِ حزینم داشتم با آن شہِ غازی
کہ در راہِ وطن کردہ بجانِ خویشتن بازی

چہ گویم تا چہ با من کرد آن اندوہِ جانکاہے
کسے از شدتِ دردِ نہانم نیست آگاہے

دران عالم کہ رخصت شد ز دل صبر و شکیبائی
دران عالم کہ می کردم ز خون پیمانہ پیمائی

سرودم از سرِ سوز و گداز آن نالۂ خونین
کہ جیب و آستینم شد ز لعلِ بے بہا رنگین

تو طعن انگاشتی آن نالۂ بے اختیاری را
ملامت بر شمردی آن فغانِ اضطراری را

خطاب ار با تو کردم چارۂ دیگر نہ دانستم
کہ شرحِ درد را شکلے ازین بہتر نہ دانستم

"چو از قومے یکے بیدانشی کرد" این نمی دانی
چہ فرمودست سعدی مصلحِ اخلاقِ انسانی

دلم می سوزد اے ملت کنون بر ابتلای تو
مگر حاشا کہ شک دارم بہ آئینِ وفای تو

اگر در ماتمِ تو نالہ می کردم ملامت کو
اگر با تو ہم آہنگِ فغان گشتم شماتت کو

کجا در شورِ ماتم امتیازِ نیک و بد ماند
کجا در جوششِ غم خودداری ہوشِ خرد ماند

گذشت آنچہ گذشت اکنون دعاے خیر می گویم
کہ می جوشد دعا از بہر تو از ہر بنِ مویم

خدا محفوظ دارد مر ترا از فتنۂ دوران
نہ بازد بازیِ دیگر کنون این گنبدِ گردان

ز نیرنگِ جہانت حفظِ ایزد پاسبان باشد
دگر از فتنۂ ایامِ ملت در امان باشد

ہمیشہ مست و سرشارئ حبِ وطن باشی
بہ کامِ دوستان در راہِ الفت گامزن باشی

بہ فرقِ دشمنانِ دین و ملت تیغ زن باشی
بہ چشمِ شوخِ اعدائے وطن ناوک فگن باشی

بہر حال آبروے ملک و ملت را نگہ داری
وقار باستانِ زاد بومت را نگہ داری

معطر سازی از عطر وفا بزم اخوت را
ز ہر تازہ نمائی رسم و آئینِ محبت را

گرت یک گوہر شہوار از کف رائگان باشد
بحمد اللہ کنون ہم با تو گنجِ شائگان باشد

زہے آن تابشِ ذرِّ یتیم و گوہر نادر
کہ از فیضِ وجودش دولت بیدار شد ظاہر

مبارک آن فروغِ کشور و آن نازشِ ملت
مبارک آن جوان بخت و جوان سال و جوان ہمت

بہ مشرق آفتابے تازہ کردند ارزانی
کہ از کابل بہ عالم می نماید لمعہ افشانی

الٰہی این سریر آراے افغان کامران باشد
بہ دہر این نیر رخشندہ دائم ضو فشان باشد

بہار این چمن از فیضِ این گل جاودان بادا
صبا از موجِ بویش ہمچنین عنبر فشان بادا

محشرستانِ کوئٹہ

کہاں ہیں بادۂ عشرت کے متوالے ادھر دیکھیں
یہ دردانگیز نظارہ بھی آ کر اک نظر دیکھیں

سُنی جاتی نہ ہو یہ داستانِ غم مگر سن لیں
نہ دیکھا جائے گو یہ منظر خونیں مگر دیکھیں

قیامت آ گئی آنے سے پہلے آہ کوئٹہ میں
نگاہیں ہوں تو آ کر منکریں دیدہ ور دیکھیں

خدا کی شانِ قہاری کے جو اب تک نہ تھے قائل
وہ آئیں اور اس کو اس زمیں پر جلوہ گر دیکھیں

فنا کر دے جو دم بھر میں نظامِ عالمِ امکاں
یہ اک ہلکا سا اس شانِ جلالی کا اثر دیکھیں

جسے انسان نے ناقابلِ تسخیر سمجھا تھا — اسے قہرِ خداوندی سے اب زیر و زبر دیکھیں
وہ شہرستانِ رنگیں جو حصارِ عسکریت تھا — اُسے اب کشتگانِ بے کفن کا مستقر دیکھیں
وہ معمورہ جو ہنگاموں سے کل تک شور آگیں تھا — ویرانہ آج اُسے شہرِ خموشاں کا کھنڈر دیکھیں
جہاں کل قصر و ایواں دیکھتے تھے اپنے ہی آکر — چھتوں کو ڈھیر دیکھیں اور دیواروں کو در دیکھیں
وہ شہرِ خوش سوادِ ہند جو آباد تھا کل تک — اسے اب خونچکاں لاشوں سے ہم آباد تر دیکھیں
فضائے چرخ میں جن کے اُڑا کرتے تھے طیارے — انھیں خود اپنے گھر میں طائرِ بے بال و پر دیکھیں
وہ خاکِ لالہ خیز اٹھتی تھیں جن سے رنگ سا کی ہو — اُسی کو گل رخوں کی موجِ خوں سے آج تر دیکھیں
وہ نازک طبع جن کو عطرِ گل بھی ناگوارا تھا — انھیں سر تا قدم آلودۂ خونِ جگر دیکھیں
قیامت ہے کہ خون و خاک کے مدفون خزانوں میں — خزف ریزوں سے بڑھ کر بے بہا لعل و گہر دیکھیں
غضب ہے برگِ گل سے نرم و نازک آبگینوں پر — ستم کے ساتھ پیہم بارشِ سنگ و حجر دیکھیں
کہیں سیمیں عذاروں پر لہو کی چادریں پائیں — کہیں رنگیں رخوں پر غازۂ خونِ جگر دیکھیں
فدا رہتی تھیں جو ہر وقت اپنے نونہالوں پر — انھیں ماؤں کو اب بچوں سے اپنے بے خبر دیکھیں
تڑپتا ہے جہاں لاشہ پسر کا خاکِ خونیں میں — پدر کو بھی وہیں بیگانۂ جانِ پدر دیکھیں
کسی کو اب کسی کی لاش پر محوِ بکا پائیں — کسی کو اب کسی کی خاک پر آشفتہ سر دیکھیں
کسی کے اشکِ خوں میں پارہ ہائے دل نظر آئیں — کسی کے آنسوؤں میں سرخیِ خونِ جگر دیکھیں
سُنے جاتے نہیں ان بیکسوں کے نالۂ خونیں — یتیموں کو کہاں تک اے خدا اب نوحہ گر دیکھیں
قیامت ہے کہ مظلوموں کے نالے نارسا پائیں — قیامت ہے کہ معصوموں کی آہیں بے اثر دیکھیں

رلاتا ہے کہانتک اب ہمین یہ خون کے آنسو — دلِ محزون سے کب تک یہ داغِ جگر دیکھین
یہ آواز آرہی ہے خاکِ گلگونِ شہیدان سے — ادھر بھی چشمِ عبرت سے ذرا اہلِ نظر دیکھین
ہوا ہے جو ہمارا حشر اس دنیاے فانی مین — نگاہِ دیدۂ دل سے اسے اب دیدہ ور دیکھین
جو کچھ گذری ہے ہم پر بیخودیِ خوابِ راحت مین — اسے گمِ خانۂ عشرت کے مست و بیخبر دیکھین
جنھون نے باغِ ہستی مین ہمین خوش کام دیکھا ہے — ہمارا آخری انجام بھی با چشمِ تر دیکھین
فسانۂ زندگی کے پوچھنے والے ادھر آئین — حیاتِ عنصری کی ہستیِ نا معتبر دیکھین

یہان اربابِ دل لے کر متاعِ درد و غم آئین
تماشا گاہِ عبرت ہے یہان با چشمِ نم آئین

ماتمِ فانی

دہر جو عالمِ باقی ہوئی جانِ فانی — آج ماتم کدہ ہے بزمِ جہانِ فانی
کام کر ہی گئین اُف بادِ فنا کی موجین — حیف خاموش ہوئی شمعِ زبانِ فانی
اُٹھ گیا غمکدۂ دہر کا وہ مانیِ غم — کھینچ دیتا تھا جو تصویرِ جہانِ فانی
دے گا داد اُس کی نواؤن کی جہانِ باقی — دارِ فانی مین کہان مرتبہ دانِ فانی
میر و غالب سے کوئی خلد مین جا کر پوچھے — احترام و ادب و عظمتِ شانِ فانی
ہو گئی بزمِ سخن کیفِ اثر سے محروم — اب غزل مین وہ کہان سحرِ بیانِ فانی

بزمِ امکان مین کہان سب کو وہ ہوتا ہی عطا   لذت اندوز تھی جس درد سے جانِ فانی
زہرِ غم اس کے لئے آبِ بقا سے بڑھکر   تھا یہی زندگیِ روح روانِ فانی
ترجمانِ غمِ ہستی ہی رہی تا دمِ مرگ   شعلۂ غم سے بجھی تھی جو زبانِ فانی
اس کا ہر نقش ہے سرچشمۂ صد موجِ حیات   نہین مٹنے کا زمانہ سے نشانِ فانی
کار فرما ہین فضاؤن مین جو اس کے نغمے
آج تک وجد مین ہے کون و مکانِ فانی

رجال عصر

نذرِ تہنیت

بہ تقریبِ صحت یابی حضرت علامہ سید سلیمان ندوی

نسیمِ صبح گاہی عطر بیز و مشکبار آئی
بحمد اللہ گلزارِ معارف میں بہار آئی

رُخِ اقدس سے اک موجِ تبسم عاریت لیکر
لبِ ہر غنچہ تک موجِ صبا مستانہ وار آئی

دعاہائے سحر گاہی میں وہ تاثیر پنہاں تھی
اجابت بارگاہِ کبریا سے بیقرار آئی

زبانِ سبزہ و گل پر یہی پیہم دعائیں تھیں
خوش آن روزے کہ دیگر بہرِ سیرِ لالہ زار آئی

یہی مستِ نگاہِ فیض مشتاقانہ کہتے تھے
زہے ساعت کہ در "بزمِ رفیقاں" جلوہ بار آئی

خدائے دو جہان نے آپ کو کامل شفا بخشی
بحمد اللہ موافق گردشِ لیل و نہار آئی

عقیدت کے صحیفہ کی ابھی تکمیل کرنی تھی
بقائے ذاتِ سامی کی مشیت ذمہ دار آئی

ازل سے آستان بوسی شہنشاہِ رسالت کی
زہے قسمت کہ زیبِ خامۂ سیرت نگار آئی

زبس مطلوب تھی قدسیون کو آپ کی صحت
بشارت لے کے شانِ رحمتِ پروردگار آئی

دوا کے ساتھ سچ یہ ہے دعائے دردمندان بھی
نویدِ رحمتِ قدوس بن کر سازگار آئی

عقیدت سرورِ عالم کی خدمت علم و مذہب کی
ترے سیمائے روشن کے لئے آئینہ دار آئی

نہ تنہا فرش پر ہم خاکیون نے التجائین کین
دعائے نوریانِ عرش بھی بر روے کار آئی

حریم قدس کے پردوں سے اس تقریبِ صحبت پر
صدا صلّی علیٰ و مرحبا کی بار بار آئی

ہوے پھر جلوہ آرا آپ بزمِ علم و عرفان مین
نگاہِ شوق پھر ہر سمت سے پروانہ وار آئی

تماشا می توان کردن بہارِ گلشنِ خود را
کنون وقت ست ای شبلی کہ بیرون ز مزار آئی

بلے زیبد اگر اے ساقیٔ خمخانۂ عرفان
کنون از مقدمِ خود بزمِ سرمستان بیارائی

رہے تا دیر قائم اے خدا ظلِ سلیمانی
زبانِ خامہ پر اب یہ دعاے اختیار آئی

رہین مامون یہ مسند نشین حضرتِ شبلی
کہ اُن کی ذاتِ والا انتخابِ روزگار آئی

یہی ہین درحقیقت باغبانِ گلشنِ شبلی
ابھی آتی ہے ان سے نکہتِ پیراہنِ شبلی

اعترافِ کمالِ سلیمانی

مُسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے علامہ سید سلیمان ندوی کی خدمت مین ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری پیش کرکے اپنی عزت بڑھائی، یہ نظم اسی تقریب سے متعلق ہے،

سلیمانِ دیارِ علم کی پایہ شناسی پر
علی گڈھ کو مبارکباد دون یا ذاتِ سامی کو

مرے نزدیک اس تبریک کے خود مستحق وہ ہین
ہے پہچانا جنھون نے آپ کی شانِ گرامی کو

بحمد اللہ سمجھا اب خردمندانِ حاضر نے
جہانِ علم و فن مین آپ کی عالی مقامی کو

جسے حاصل ہو طغرائے شرفِ سیرت نگاری کا
ضرورت کیا کسی اعزاز کی اس نامِ نامی کو

اسے مدحِ جہان کی کیا تمنا جس کو فطرت نے ۔۔۔ کیا ہو منتخب خود مدحِ سرکارِ تہامی کو
اسے ہم ہندیون کے نغمۂ تحسین کی کیا پروا ۔۔۔ شرف جس کا مسلم ہو ہر اک مصریؔ و شامی کو
خوشا وہ بندۂ مقبول جس نے روزِ اول سے ۔۔۔ بنایا ہے شعار آقا سے یثرب کی غلامی کو
ملائک جھومتے ہین عرش پر جس وقت سنتے ہین ۔۔۔ صریرِ کلک کے آوازۂ معجز کلامی کو
وہی نورِ قلم بخشا وہی حسنِ رقم بخشا ۔۔۔ مشیت نے جنابِ اُستاذ کی قائم مقامی کو
وہ عمان الحکم وہ ساقیِ خمخانۂ شبلی ۔۔۔ بجھایا جس نے اربابِ ہنر کی تشنہ کامی کو

خدا محفوظ رکھے تا ابد آسیبِ دوران سے
معارف کے نگہبان حکمت و دانش کے حامی کو

ملتِ اسلام کا مفکرِ عظیم

کرتا ہے اوجِ سلطنت اس کے قدم کا استلام ۔۔۔ آنکھ جو ہو تو دیکھیے مرتبۂ ابوالکلام
صدقے نہین جو آج خود اُس کے علوِ شان پہ ۔۔۔ کونسا ہے وہ افتخار کون سا ہے وہ احترام
اس کی فراست آج ہی بحث و نظر سے ماوریٰ ۔۔۔ ہاتھ مین جس کے ہے سپرد مجلسِ قوم کی زمام
قوم کے میرِ کاروان، صدرنشین کانگریس ۔۔۔ ملتِ حق کے خضرِ راہ دین کے مفسر و امام
عرصۂ کارزارِ حق جس کے قدم سے حشر خیز ۔۔۔ معرکۂ جہاد و قوم جس کے قلم کا تشنہ کام
صلح ہو یا کہ جنگ ہو، بزم ہو یا کہ رزم ہو ۔۔۔ وقت کے ہر محاذ پہ فاتح و فائز المرام
پایا نہ بزمِ عصر نے ایسا مفکرِ عظیم ۔۔۔ دیکھا نہ چشمِ دہر نے ایسا مجاہدِ ہمام

خاکِ وطن سے آج تک حق تو یہی نہین اٹھا — ایسا ادیب حق نگار ایسا خطیب خوش کلام
اس کے قلم کا حرف حرف نشأۃ نو کی تہنیت — اُسکی زبان کا لفظ لفظ نہضتِ تازہ کا پیام
اس کے کمالِ فہم پر قوم کو آج ناز ہے — ملک کو اُس کی ذات پر آج ہے اعتمادِ تام
بزمِ ملل مین جس کی شان مایۂ نازشِ سلف — صدرِ شرف ہین جس کی ذات زینتِ مسندِ کرام
ہے وہ خواصِ دہر کا ہند مین مرکزِ نگاہ — وجہِ شرف اُسے نہیں کو رنگاہی عوام
اس کے نقوشِ زندگی ثبت رہین گے تا ابد — صفحۂ دہر پہ یہ نام پائے گا خلعتِ دوام
اس کی ہر اک سانس ہے اسوۂ یوسفی کی نذر — کلمۂ حق کے واسطے وقف ہے زندگی تمام
آئے ہزار مد و جزر پھر بھی ہے ایک وضع پہ — روزِ ازل سے آج تک اُسکی حیات کا نظام
آئین وہ اور درس لین عزم ابو الکلام سے — قوم کی رہبری کا آج ہے جنھین ادعائے خام
رہبرِ قوم کے لئے شرط ہے پہلی ابتلا — جادۂ حق و صدق مین صبر ہے اولین مقام
شعلۂ امتحان کے بعد دیتے ہین گلشنِ خلیل — جذبِ شعاعِ مہر سے بنتا ہے لعل سنگِ خام
وہ ہے زعیمِ ممتحن جانین گے اسکی شان کیا — ہر خوشی نشاط مین گذری ہین جنکی صبح و شام
نورِ ہُدیٰ سے بے نصیب حکمتِ دین سے بے خبر — جان سکین گے آہ کیا مرتبۂ ابو الکلام

روزِ ازل سے ہر نفس جس کا ہے حریت نواز
اس کو سمجھ سکے گی خاک پستیٔ فطرتِ غلام[1]

[1] یہ نظم اس وقت لکھی گئی تھی جب حضرت مولانا ابو الکلام آزاد شملہ کانفرنس مین بہ حیثیت صدر کانگریس کریپس مشن سے گفتگو فرما رہے تھے، اور دنیا اُن کی غیر معمولی فراست پر انگشت بدندان تھی،

امام الہند کا مقامِ بلند

بہ تقریب آزاد کانفرنس لکھنؤ

منعقدہ ۲۶ر و ۲۸ر دسمبر ۴۶ء

کیا ملت کو صوتِ سرمدی سے آشنا جس نے
دلِ مسلم کو بخشی لذتِ ذوقِ انا جس نے
وطن کو دی جہادِ سرفروشی کی صلا جس نے
سُنائی کاروانِ قوم کو بانگِ درا جس نے

وہ فخرِ ہند امام الہند کی ذاتِ گرامی ہے
حقیقت مین یہ سب فیضِ نوائے بوالکلامی ہے

یہی اب ہند مین وہ آخری شمعِ ہدایت ہے
منور جس کی نور افشانیون سے بزمِ ملت ہے
نکات آموز حکمت ہے حیات افروز امت ہے
سراپا دعوت و ارشاد و پیغامِ عزیمت ہے

وہی برقِ تجلی مضطرب ہے اُن کی مینا مین
کہ جس کی ایک موجِ آتشین مضطر تھی سینا مین

ہے چالیس سال سے جو ہند مین گرم ندا اب تک
فضا مین گونجتی ہے ہر طرف جس کی نوا اب تک
نوا سنجی سے جس کی نغمہ سامان ہے فضا اب تک
صریرِ کلک پر جس کے معارف ہین فدا اب تک

وہ خضرِ جادۂ حق، ساقیِ خُمخانۂ ملت
ہے جس کی ذاتِ اقدس رونقِ کاشانۂ ملت

وہ رمز آگاہ حق وہ مصلحت کا پیر فرزانہ — قلم جس کا ہے گویا کوثر معنی کا میخانہ
وہ جس کے دم سے پھر آباد ہے ملت کا کاشانہ — شبستانِ وطن میں کیوں نہ پھر رقصاں ہو پیمانہ

کہ ساقی کی نگاہیں بزم میں پھر کارفرما ہیں
نئے انداز سے جلوہ فشاں پھر جامِ مینا ہیں

وہ شمعِ دین فدا جس پر ہیں پھر ملت کے پروانے — وہ نباضِ سیاست دیدہ ور ہیں جس کے دیوانے
وہ ساقی وقت جس نے کر دیئے عرفاں کے میخانے — اٹھا ہے پھر رگِ افسردہ ملت کو گرمانے

بحمد اللہ والمنۃ وہ دورِ انقلاب آیا
کہ پھر رندوں کی محفل میں ایاغ آفتاب آیا

ہوئے رخصت جو تھے تارِ شبِ تار قیادت کے — کہ پھر جلوے نمایاں ہو گئے مہر ہدایت کے
ہیں دیکھے معجزے دنیا نے پھر حق و صداقت کے — ید بیضا نے پردے چاک کر ڈالے ہیں ظلمت کے

بحمد اللہ باطل کا فریبِ ساحری ٹوٹا
جو تھا ملت پہ طاری وہ طلسمِ سامری ٹوٹا

بجا ہے گر کہیں ہم دین و ملت کا امام انکو — کہ حاصل ہے امام الہند کا عالی مقام اُن کو
زمانہ جانتا ہے آج بھی صدر عظام اُن کو — بھلا سمجھیں نہ کیوں ارباب دین فخر کرام اُن کو

کہ اب تنہا انھیں سے ہیں روایاتِ سلف باقی
یہی اسلاف کے ہیں وارث مجد و شرف باقی

یہی اب ہادیِ امت بھی ہیں ملت کے رہبر بھی — ہیں گنجور معارف بھی حقائق کے سمندر بھی

امام دین و ملت بھی وطن کے میر لشکر بھی
مسلمانون کے آجکل بھی ہین انصاری بھی جتھے ہر بھی

فلک ہم سے نہ چھینے یہ متاعِ بے بہا یارب
رہے ضو آفرین تا دیر یہ شمعِ ہدیٰ یارب

قصیدہ

بہ تقریب تاسیس شبلی ؔنیشنل کالج اعظم گڈھ

بہ پیشگاہ

نواب صدر یار جنگ مولینا حبیب الرحمن خان شروانی

تجلی کس کے رُخ کی آج سرگرمِ نوازش ہے
کہ محفل مین ضیا و نور کی ہر سمت بارش ہے

نہ تنہا ضو فشان اس شمع سے یہ بزمِ دانش ہے
جہانِ علم و فن کا ذرہ ذرہ غرقِ تابش ہے

چراغِ دودۂ افغان فروغِ دیدۂ شروان
وہ جس کی ذاتِ بابرکت پہ نازان خاکِ ہندوستان

ادیبِ نامور پایہ شناسِ عظمتِ شبلی
نگاہِ مست جس کی بادہ ریزِ حکمتِ شبلی

وہ یارِ نکتہ پرورد حبیبِ حضرتِ شبلی
ابھی آتی ہے جس کے پیرہن سے نکہتِ شبلی

انھین اب دیکھ کر محفل مین یارب کس کی یاد آئی
کہ چھوٹا ہاتھ سے سر رشتۂ صبر و شکیبائی

وہ اپنے عہد کا ہم پایۂ رازی و غزالی
متاعِ نازشِ اسلاف جس کی حکمتِ عالی

وہ جس کے دم سے روشن محفلِ سرسیّد و حالی — ہوا صد حیف اس یوسف سے کنعانِ وطن خالی

وہ محفل ہے نہ ساغر ہے نہ صہبا ہے نہ ساقی ہے
فقط رندوں میں اس دورِ کہن کی یاد باقی ہے

اسی کا ایک پرتو ہے یہ بزمِ علم و عرفان بھی — اسی کا ایک جلوہ ہے وطن کا یہ دبستان بھی
اسی کے نامِ نامی سے ہے یہ مشہورِ دوران بھی — اسی کے فیض سے ہے آج اس عزت کے شایان بھی

کہ یہ اوجِ ہنر کا ماہِ نو اب بدرِ کامل ہے
بحمداللہ کالج کا لقب اب اسکو حاصل ہے

دکھایا خوبیِ قسمت نے یہ روزِ سعید اس کو — ملی گنجینہ ہائے علم و دانش کی کلید اس کو
مبارک آج کا ہے یک ترقی کی نوید اس کو — مبارک ہر طرف ہے بزم میں شورِ نشید اس کو

دعا ہے اے خدا یہ دور اس کو سازگار آئے
ہمیشہ اس چمن میں یونہی پیغامِ بہار آئے

بحمد اللہ پس از عمر دعا و سعیِ امکانی — بر آئی آرزوئے حضرتِ شبلی نعمانی
عجب کیا ہے جو محفل پر ہے طاری کیفِ وجدانی — زبانِ حال سے کوئی ہے محوِ تہنیت خوانی

ہے مصروفِ ترنم وہ لبِ رنگین نوا پیہم
چلی آتی ہے مرقد سے صدائے مرحبا پیہم

وطن والو مبارک علم و فن کا یہ چمن تم کو — نوائے آفریں صد آفریں ای جانِ من تم کو
مبارکباد دینے آئے ہیں اربابِ فن تم کو — دعائیں دے رہا ہے آج یہ پیرِ کہن تم کو

کہ تم نے حسرتِ دیرینۂ شبلی نکالی ہے
وطن میں اک نئی دانش کدے کی طرح ڈالی ہے

دعا یہ ہے پھلیں پھولیں تمھارے نونہال اس میں — دکھائیں چہرۂ زیبائے دانش کا جمال اس میں
سلف کی طرح پھر پیدا ہوں اربابِ کمال اس میں — عجب کیا ہے کہ پھر زندہ ہو شبلی کی مثال اس میں

وطن کا نام پھر اک بار دنیا میں اچھل جائے
خداوندا مرے دل کی یہ حسرت بھی نکل جائے

بنا دار العلوم قوم کی اور دستِ شروانی — مزارِ پاکِ شبلی کے قرین یہ جلوہ سامانی
جو سچ پوچھو تو یہ بھی ہے کسی کا فیضِ روحانی — نظر آتا ہے اس میں بھی ہمیں اک ربطِ پنہانی

یہ تھا مقصود اس تقریب سے یارِ حبیب آئے
برائے فاتحہ شبلی کے مرقد کے قریب آئے

ہماری بزم میں یہ آپ کی تشریف فرمائی — حقیقت میں دیارِ یار کی ہے جادہ پیمائی
رُخِ اقدس کا اللہ رے یہ فیضِ جلوہ آرائی — وطن کا ذرہ ذرہ بن گیا چشمِ تماشائی

کہ علم و فضل و دانش کا یہ زیبا پیکرِ اقدس
ہے سر تا پا جمالِ ہم نشیں کا مظہرِ اقدس

سلف کی یادگارِ آخریں ہے آپ کی ہستی — مثالِ زہدِ عہدِ اولیں ہے آپ کی ہستی
وطن کی بزم میں شمعِ یقیں ہے آپ کی ہستی — فروغِ مسندِ اربابِ دیں ہے آپ کی ہستی

کہاں اس دین و دانش کی مثال اب عہدِ حاضر میں
کہاں اب ایسے اربابِ کمال اس دورِ آخر میں

ایک عالمِ ربّانی
کی
اسارت

یہ کس کا حجرۂ زنداں بنا ہے آج نورانی
ملک بھی ہیں طوافِ شوق میں گرمِ پرافشانی

جدھر دیکھو در و دیوار پہ موجِ تجلی ہے
نظر آتی ہے یہ کس کے رخِ اقدس کی تابانی

جہانِ جور و استبداد کو کوئی خبر کر دے
حسین احمد ہوئے پھر خوبیٔ قسمت سے زندانی

وہ جس کی زندگانی کا شرف ہو اسوۂ یوسف
اسے ہو گی بھلا کیا سجن و زنداں سے پریشانی

پرستارانِ حق گھبرائیں کیوں اس یوسفستاں سے
یہ زنداں تو رہا ہے جلوہ گاہِ ماہِ کنعانی

کبھی اس کلبۂ احزاں میں بھی گر دیکھئے جا کر
وہی ہونٹوں پہ ہے موجِ تبسم ہائے پنہانی

ہجومِ ابتلا میں بھی ہے وہ اللہ کا بندہ
تبسم بر لب و خندہ جبین و خندہ پیشانی

وہی ہے شیوۂ صبر و رضا کی جلوہ فرمائی
متاعِ فقر و استغنا کی یعنی ہے فراوانی

فقط اک بوریا ہے فقر ہے اور گوشۂ زنداں
بسر کرتے ہیں یونہی زندگانی حق کے زندانی

مبارک سرخوشانِ عیش کو کاشانۂ راحت
مجاہد کے لئے زیبا نہیں ذوقِ تن آسانی

صحابہ کی حیاتِ پاک کو اس نے نہیں جانا
حقیقت میں یہ شانِ زندگی جس نے نہ پہچانی

وہ جس کی خلوتِ شب کی بدولت اب بھی تازہ ہے
گدازِ بوذرؓ و عشقِ اویسؓ و سوزِ سلمانیؓ

نگاہیں ہوں تو آکر دیکھئے اس ذاتِ اقدس میں
جمالِ رحمۃ للعالمین کی پرتوافشانی

وہ سینہ ہے کہ گنجینہ ہے اخبارِ پیمبر کا
وہ سیما ہے کہ ہے آئینۂ انوارِ ربانی

تعالی اللہ وہ رخشندہ و تابندہ پیشانی
جسے دیکھو تو ہو جاتا ہے تازہ ذوقِ ایمانی

پہنچ کر بزمِ اقدس میں نگاہیں محوِ حیرت ہیں
فرشتہ ہے یہ کوئی سامنے یا شکلِ انسانی

وہ زاہد رات کا دن کا مجاہد شان ہے جس کی
نظر آتا نہیں اس عہد میں اس کا کوئی ثانی

وطن کا میرِ لشکر پیرِ دانا بزمِ قومی کا
مسلماں کا امام و مقتدا و شیخِ لاثانی

زعیمِ ملک وہ فخرِ وطن وہ نازشِ ملت
سیاست جس کی اسلامی فراست جسکی ایمانی

شعار اس کا بزرگانِ سلف کا زہد و تقویٰ ہے
جہاد اس کا نہیں پابندِ قیدِ سبحہ گردانی

جدا ہے رسم و راہِ خانقاہی سے طریق اس کا
زمانہ سے الگ ہے اس کا آئینِ خدادانی

وہ مستِ بادۂ عرفاں ہے جس کی روح اسلامی
وہ نازِ بوذر و سلماں ہے جس کا ذوقِ ایمانی

وہ جس نے مدتوں اس آستاں کی خاک چھانی ہے
وہ جس نے کی ہے برسوں روضۂ اقدس کی دربانی

نہ دیں کیوں اہلِ ملت دیدہ و دل میں جگہ اسکو
جسے حاصل ہوئی ہو یثرب و بطحا کی مہمانی

نگاہوں میں ابھی تک برقِ ایمن کی تجلی ہے
دلِ روشن میں ہے شمعِ حرا کی پرتوافشانی

یقیں جس کو نہ ہو وہ آکے دیکھے چہرۂ انور
عطیہ ہے اسی دربار کا وہ داغِ پیشانی

قسم اسلاف کے ذوقِ جہاد و زہد و تقویٰ کی
یہی اس عہد میں ہیں حاملِ پیغامِ ربانی

یہی اب عالمانِ دینِ ربانی کے خاتم ہیں
یہی اب یادگارِ محفلِ محمودؒ و قاسمؒ ہیں

اقبالِ ملّت

خطاب بہ شاعرِ حکیمِ ہند

اے حکیمِ نکتہ داں اے عارفِ روشن رواں
اے ادیبِ خوش نوا اے شاعرِ جادو بیاں

اے جلیسِ بزمِ قدس اے محرمِ کروبیاں
اے قرینِ ماہ و خور اے رہ نوردِ آسماں

اے مکینِ لامکاں اے خاکیِ گردوں نشیں
اے شرف بخشِ زماں اے مایۂ نازِ زمیں

تیری عظمت ہے ملائک کے لئے رشک آفریں
تیری رفعت پر تصدق رفعتِ چرخِ بریں

تیری آب و گل میں ہیں بال و پرِ روح الامیں
تیری بزمِ دل میں ہے پرتو فگن شمعِ یقیں

تیرے بال و پر بنے ہیں اوجِ طوبیٰ کے لئے
فطرتِ روشن تری بزمِ تجلّی کے لئے

ہے ترے شایانِ شان ذوقِ ہوائے لامکاں
ہاں تجھے زیبا ہے پروازِ فضائے لامکاں

تنگ ہے فطرت کو تیری یہ حضیضِ خاکداں
پست ہے رفعت کو تیری، یہ فرازِ آسماں

فرش سے اے آرزوئے مہر و ماہ و کہکشاں
جادہ پیما عرش پر ہوتا ہے تیرا کارواں

کس جہاں کا تو ہے رہرو تیری منزل ہے کہاں
جس کی تو شمعِ فروزاں ہے وہ محفل ہے کہاں

ہاں تری اس سعیِ بے پایاں کا حاصل ہے کہاں
ہاں ترے اس بحرِ بے ساحل کا ساحل ہے کہاں

گو ہے تو خاکی مگر ہمدوشِ مہر و ماہ ہے
تیرے سینہ میں ودیعت اک دلِ آگاہ ہے

تو ہے سرتاپا قتیلِ آرزوئے زندگی
تو ازل سے ہے شہیدِ جستجوئے زندگی

تیری ہر موجِ نفس رمز آشنائے زندگی
تیرا ہر تارِ نفس سازِ نوائے زندگی

تیرے دم سے ضوفشاں شمعِ تجلائے حیات
دہر میں تیری بدولت دورِ صہبائے حیات

ہے ترا ہی جرعہ کش رندِ خرابِ زندگی — ہے تجھی سے مرتعش تارِ ربابِ زندگی

تیرا ہر پیغام اک تعبیرِ خوابِ زندگی — تیرا ہر ہر حرف تفسیرِ کتابِ زندگی

آشکارا تجھ سے حسنِ بے حجابِ زندگی — ذرہ ذرہ میں ہے درخشاں آفتابِ زندگی

اے سراپا ملتِ بیضا کو پیغامِ خودی — حاملِ گنجینۂ اسرار و الہامِ خودی

اے نقیبِ دورِ نو اے ساقیِ جامِ خودی — کیوں نہ ہوں تیری دعا گو جرعہ آشامِ خودی

اے خرابِ ہوشمند اے بیخودِ جامِ خودی — تیری ہر موجِ نفس سرشارِ الہامِ خودی

اے سراپا دفترِ آیات و احکامِ خودی — تیرا ہر شورِ نوا دنیا کو پیغامِ خودی

اس طرح تونے سنوارا طرۂ شامِ خودی — آج عالم ہے اسیرِ حلقۂ دامِ خودی

اس قدر تونے اچھالا دہر میں نامِ خودی — آج معراجِ نظر ہے جلوۂ بامِ خودی

تیری فطرت پر کیا فطرت نے اتمامِ خودی — تو ہی آغازِ خودی ہے تو ہی انجامِ خودی

ہر نوائے والہانہ تیری کوثرِ کامِ خودی — ہر نگاہِ مست تیری بادۂ جامِ خودی

گو ترے زیرِ قدم ہے رفعتِ بامِ خودی — ہے سکوں ناآشنا پھر بھی ترا گامِ خودی

تونے کر دی جلوہ آرا اس طرح شامِ خودی — بیخودوں کو آ گئی پھر یادِ ایامِ خودی

اے ترا ہر حرف روشن دُرِ شہوارِ خودی — اے ترے دم کی بدولت گرم بازارِ خودی

سرخوشِ جامِ خودی، سرمست سرشارِ خودی — محرمِ رازِ خودی، مفتاحِ اسرارِ خودی

ہے ترے سینہ میں وہ برقِ شرربارِ خودی — بزمِ گیتی بن گئی ہے طورِ انوارِ خودی

اے سراپا معنیٔ الہام تیری شاعری
جادۂ سرچشمۂ عرفان ہے تیری شاعری

اے سراپا مخبرِ پیغام تیری شاعری
بادۂ خمخانۂ ایمان ہے تیری شاعری

تیرا ہر پیغام اے گرمِ نوائے شاعری
حلۂ اعجازِ سخن ہے یہ تری افسونگری
اے نواپیرائے باغِ قدس تیری ہر نوا
تیرا ہر اک حرف نقشِ نامۂ جاوید ہے
تو ہے گویا اہلِ مغرب کو یہ مشرق کا پیام
مٹ چکا اب وہ خمارِ لذتِ شربِ مدام
ایشیا اب پھر شرابِ شوق سے سرشار ہے
اک حیاتِ نو ہے پیدا عالمِ اسلام میں
وقتِ ماتم اے کمندِ کاکلِ صیاد ہے
آسمان کی سیر کرتی ہے تری فکرِ بلند
پرفشاں ہر لحظہ تیری فکرِ گردوں تاز ہے
ہاں وہاں روشن ترے تحریر کی قندیل ہے
خامۂ رنگیں ترا مصروفِ تعمیرِ حیات
مدعا تیرا ہے کیا؟ تعلیم و تعمیرِ حیات

ماوراے شاعری ہے ماوراے شاعری
حق ہے گر اس کو کہیں جزویست از پیغمبری
کاروانِ زندگی کے واسطے بانگِ درا
اک پیامِ نوبہارِ گلشنِ امید ہے
ہم بھی ہیں اب عرصۂ ہستی میں مصروفِ خرام
اب یہاں بھی ہو رہا ہے زندگی کا اہتمام
مشرقِ خوابیدہ اب پھر خواب سے بیدار ہے
رونما ہے نہضتِ تازہ حجاز و شام میں
اب ترے فتراک سے مرغِ حرم آزاد ہے
ہیں مہ و مہر و کواکب سب گرفتارِ کمند
اللہ اللہ یہ تخیل کی ترے پرواز ہے
پرفشانی سے جہاں قاصر پرِ جبریل ہے
نامۂ خونیں ترا منشورِ تدبیرِ حیات
فلسفہ تیرا ہے کیا؟ توضیح و تفسیرِ حیات

داستانِ عہدِ ماضی ہو اگر زیبِ رقم
ہے ترا ازورِ قلم معمارِ تقدیرِ اُمم

جس کی ہر اک سطر زیبا طرۂ تاجِ حیات
مفخرِ قرطاس جس کے دم سے معراجِ حیات

تیری اس فطرت بلندی سے کسے ہے اختلاف
تیری اس رفعت پسندی سے کسے ہے اختلاف

ہاں مگر اے فیلسوف و شاعرِ جادو طراز
تیری خدمت میں مری اک عرض ہے با صد نیاز

یہ گہرہائے درخشاں صرف تیری قال ہیں
تیری فطرت کے رُخِ روشن کے خط و خال ہیں

دوسرا رُخ ہے ابھی تک تشنۂ بحث و نظر
اک نظر اس پر بھی ہاں تیری اجازت ہو اگر

بارگاہِ علم میں گر ہو یہ گستاخی معاف
تیری دنیائے عمل کا بھی ذرا کر لوں طواف

دیکھتا کیا ہوں کہ ہے اک دشتِ ناپیدا کنار
جس میں کوسوں تک نہیں ملتا نشانِ سبزہ زار

کارواں کیا مل نہیں سکتا یہاں اک نقشِ پا
یہ زمیں ہے آج تک بیگانۂ بانگِ درا

راہرو کوئی یہاں محوِ سبک رانی نہیں
کوئی اعرابی یہاں وقفِ حدی خوانی نہیں

کچھ نظر آتے نہیں ہیں اس میں آثارِ حیات
کوئی ذرہ تک نہیں سرگرمِ پیکارِ حیات

رُخ ادھر کرتا نہیں ابرِ گہربارِ حیات
نامیہ پالن ہو نہیں سکتا ہے نمائے حیات

نام کو اس میں نہیں ہے اضطرابِ زندگی
حکمراں ہے اُس کے ہر گوشہ پہ خوابِ زندگی

اس دیارِ خواب و خور میں زہر ہے جوشِ عمل
اس خراباتِ دغا میں ننگ ہے ہوشِ عمل

کیا اٹھے اس خاکِ دامنگیر میں پائے طلب
آکے یاں کھویا گیا خود جادہ پیمائے طلب

جس کے نغمے تھے نقیبِ مقدمِ فصلِ بہار
آہ وہ مرغِ چمن اب ہے خزاں کا سوگوار

برق کو جس نے سکھائی شوخیِ طرزِ خرام
آہ وہ خود منزلِ ہستی میں ہے اب سست گام

رہبری کرتا تھا سوے عرش جس کا نقشِ پا — آہ اب وہ جا رہا ہے جانبِ تحت الثریٰ
رُخ ہے نغموں کا فضاے عالمِ جاں کی طرف — پانوں اُٹھتے ہیں خفیف بزمِ امکاں کی طرف
جو پڑھاتا تھا صداقت کا عدالت کا سبق — جو ہمیں دیتا تھا دنیا کی امامت کا سبق
مل رہا ہے اب اسی سے ضعفِ ہمت کا سبق — دے رہا ہے اب وہی فسخِ عزیمت کا سبق
جس کا ہر نغمہ تھا اسلامی اخوت کا پیام — ہر نوا تھی جس کی عالمگیر وحدت کا پیام
اب عمل سے دے رہا ہی وہ پیامِ انتشار — ملتِ بیضا کے غم میں اب نہیں وہ دلفگار

اے بہارِ باغِ ملت طوطیِ گلزارِ ہند — آفتابِ اوجِ مشرق یوسفِ بازارِ ہند
گوہرِ عمانِ فن، شمعِ شبستانِ کمال — شمسۂ ایوانِ فن، شیرِ نیستانِ کمال
اے حیات افروزِ ملت ای حدی خوانِ وطن — اے فروغِ دیدۂ اسلام ای جانِ وطن
اس طرح نغموں سے تیرے بزمِ جاں معمور ہی — تیری الفت کے لئے ہر اہلِ دل مجبور ہے
آج تو کُل ملتِ اسلام کا محبوب ہے — بلکہ مشرق کی تمام اقوام کا محبوب ہے
آج مسجودِ نظر ہے تیرا ہر نقشِ قدم — کیوں نہ تڑپے دل اگر اُٹھے غلط تیرا قدم
کاش ہو جاتا یہ تجھ پر رازِ پنہاں آشکار — بے سبب ہرگز نہیں یہ نالۂ بے اختیار
اس فغانِ درد کی شاہد محبت ہے تری — اس نوائے تلخ کا باعث عقیدت ہی تری

یہ نہیں تعریض، دل کے درد کا افسانہ ہی
ایک آہِ مضطرب، اک اشکِ بے تابانہ ہی

شاعرِ مشرق اور فلسفۂ حیاتِ ملّی

مدتون سے سرد تھا خونِ حیات — مضمحل رخسارِ گلگونِ حیات
مست و افسردہ قوائے زندگی — مردہ روحِ ارتقائے زندگی
بجھ گئی تھی آتشِ سوزِ درون — نام کو باقی نہ تھا ذوقِ جنون
بے سرور و نورِ مینائے خودی — بے کلیم و طورِ سینائے خودی
پست و رسوا طبعِ عالی فطرتی — کار فرما ہر طرف دونِ ہمتی
بندگانِ حق طلب ناحق شناس — غیر محکم دین و ملت کی اساس
کاروان سرگشتہ منزل بے نشان — مست و خوابیدہ امیرِ کاروان
راہ گم کردہ ہمت نا آشنا — سعی مقصد تھی نہ جہدِ مدعا
ملتِ اسلام مفقود المقام — بے یقین و بے نظام و بے امام
کر چکے تھے جان و دل جس پر فدا — لٹ چکی تھی وہ متاعِ بے بہا
وقفِ ماتم ہند مین اسلام تھا — شکوہ سنجِ گردشِ ایام تھا
اب کہان وہ دل مین سوزِ آرزو — اب کہان سرشاری لا تقنطوا
کیا نہین یہ درد و ماتم کا مقام — ملتِ بیضا ہو غیرون کی غلام
کیا یہ آشوب قیامت سے ہے کم — محرمِ اغیار ہو پیرِ حرم

رہ گیا تھا بزم میں اب یادگار — بادۂ دوشینہ کا کیف و خمار
منتظر تھے رند دورِ جام کے — ساقیِ رنگیں کے فیضِ عام کے
تھی ضرورت قوم کو پیغام کی — سوز و سازِ نغمۂ الہام کی
شاعرِ ہندوستاں پیدا ہوا — بلبلِ مشرق نوا پیرا ہوا
ماحیِ قیدِ مقام و مرز و بوم — ہند سے اٹھا قتیلِ پیرِ روم
مست صہبائے خمستانِ حجاز — ساقیِ یثرب کا رندِ پاکباز
آشنائے رمزِ دیں دانائے راز — پرتوِ شمعِ یقین وقفِ گداز
محرمِ اسرارِ ازل ہمرازِ قدس — ہر زماں آمادۂ پروازِ قدس
عاقل و فرزانہ سرشارِ دین — بیخود و دیوانہ ہشیارِ دین
کاشفِ صد عقدۂ اسرارِ دین — واقفِ صد نکتۂ اخبارِ دین
عاشق و مست و حکیم و فیلسوف — صد نکات آموزِ اربابِ تصوف
بزمِ اسرار و معارف کا چراغ — عارفِ روشن دل و روشن دماغ
محرمِ سرِ خودی و آگہی — رازدانِ نکتۂ فقر و شہی
بحرِ ناپیدا کنارِ علمِ دین — ہند میں سرمایہ دارِ علمِ دین
قلزمِ مواجِ اسرار و حکم — قطرہ جس کے فیض سے عمان و یم
بادۂ تبریز کا ذوق آشنا — حکمتِ اسرار کا عقدہ کشا
ہم نوائے شاعرِ المانوی — نغمہ سنجِ بوستانِ معنوی

سرورِ آقائے یثرب کا غلام — حکمت آموزانِ مغرب کا امام

مئکشِ پیمانۂ سرِ علوم — سرخوشِ خمخانۂ تبریز و روم

محفلِ ایمان کی شمعِ جلوہ ریز — ساغرِ دل کی شرابِ تند و تیز

سینہ جس کے نور سے روشن تمام — جلوہ افشانِ ہند کے مینا و جام

محوِ حیرت عقلِ دانائے فرنگ — بے بصیرت چشمِ بینائے فرنگ

بے فروغِ بادۂ مینائے فرنگ — بے مذاقِ نشۂ صہبائے فرنگ

منزلِ عرفان مین رومی کا رفیق — ساقیِ تبریز کا مستِ رحیق

فرش پر محوِ خیالِ عرش رس — عرش پر قدوسیون کا ہم نفس

فرش پر سینا و رازی کا مثیل — عرش پر قدسی و رومی کا قتیل

صاحبِ جاوید و بالِ جبرئیل — بہرِ سیرِ لامکان بانگِ رحیل

بے خبر، مستِ نظر، گرمِ سفر — ہم عنانِ ماہ و خور افلاک پر

رہ نوردِ آسمانِ بیکران — رونقِ بزمِ جہانِ دیگران

اے فلک پر جلوہ آرائے شہود — آب و رنگِ محفلِ ذکرِ سجود

بزمِ جان مین کاشفِ سرِ وجود — ترجمانِ کائناتِ ہست و بود

فاش تجھ سے سینۂ آدم کا راز — فطرتِ بے تاب کا سوز و گداز

تیرے دم سے خاکیانِ مستمند — ارجمند و بہرہ مند و سربلند

اللہ اللہ یہ کمالِ آب و گل — اللہ اللہ یہ عروجِ خاکِ دل

خاک کا ہر ذرہ رشکِ مہر و ماہ ۔۔۔ انجم و افلاک کی جانِ نگاہ
آشنائے فطرتِ شمس و قمر ۔۔۔ روشن و تابندہ و پایندہ تر
اے نوا پیرائے گلزارِ انا ۔۔۔ اے سراپا سازِ بیدارِ انا
تیرا ہر تارِ نفس تارِ انا ۔۔۔ ہر نگاہ مستِ سرشارِ انا
اے سراپا آرزو مندِ حیات ۔۔۔ سرخیِ خون سے حنا بندِ حیات
زندگی تیری کمالِ زندگی ۔۔۔ آئینہ دارِ جمالِ زندگی
تو نے چھیڑا اس طرح تارِ رباب ۔۔۔ لوٹ آیا عہدِ رفتہ کا شباب
ہو گیا ہے حسنِ ہستی بے حجاب ۔۔۔ ضو فگن ذروں میں ہے پھر آفتاب
تو نے سکھلا دی ہے وہ خوئے حیات ۔۔۔ موجزن رگ رگ میں ہو جوئے حیات
ہے تلاطم خیز خونِ زندگی ۔۔۔ شور افزا ہے جنونِ زندگی
آتشِ سیّال ہے خونِ جگر ۔۔۔ ہر لہو کی بوند ہے برق و شرر
زندگی ہے آشنائے بال و پر ۔۔۔ ہو گئی ہے نبضِ ہستی تیز تر
دوڑتی ہے بن کے برقِ اضطراب ۔۔۔ ذرہ ذرہ میں شعاعِ آفتاب
تیری فطرت ہے طپش آموزِ برق ۔۔۔ اے زہے سرتاپا حیات افروزِ شرق
صبحِ روشن کی طرح بیدار ہے ۔۔۔ تجھ سے مشرق عالمِ انوار ہے
تیری ہستی ایشیا کی آبرو ۔۔۔ ملتِ مشرق کی جانِ آرزو
تو ہے مشرق کا وہ روشن آفتاب ۔۔۔ جس کی کرنوں سے ہی مغرب فیض یاب

ملتِ اسلام کا روشن دماغ — عالمِ توحید کا چشم و چراغ

آج تک تازہ ہے تجھ سے اے حکیم — ہند میں افسانۂ طور و کلیم

گرچہ خود پیغمبرِ خاور ہے تو — والہ و شیدائے پیغمبر ہے تو

ہے تلاشِ کوچۂ دلبر تجھے — خاکِ یثرب خلد سے خوشتر تجھے

اے ازل سے دردمندِ زندگی — خونِ دل سے نقش بندِ زندگی

ہر نوا تیری نوائے سرمدی — ہر نفس سرشارِ صہبائے خودی

قالبِ بے روح میں جان آفریں — جانِ بے ارماں میں ارمان آفریں

کافرِ ہندی میں ایمان آفریں — اے دلِ مومن میں عرفان آفریں

دیدۂ مسلم میں طوفان آفریں — آفریں مردِ مسلمان آفریں

رمزِ قرآن فلسفہ دانی تری — نغمۂ عرفان حدی خوانی تری

شاعری تیری نہیں الہام ہے — خاکیوں کو عرش کا پیغام ہے

حاملِ قرآن تری تعلیم ہے — رازدانِ احسنِ تقویم ہے

ملتِ یک جسم و جانِ صد نیم ہے — تو سراپا دعوتِ تنظیم ہے

کیا پریشانی ہے ملت کو گزند — ہے ترا نالہ بہ نوا شیرازہ بند

گاہ مستِ نغمۂ رنگیں ہے تو — گاہ وقفِ نالۂ خونیں ہے تو

گاہ ہے تو قاصدِ فصلِ بہار — گاہ ہے دردِ خزاں کا سوگوار

گاہ محو نوحۂ دردآفریں — گاہ سرگرمِ نوائے آتشیں

گاہ ٹپکاتی ہے تیری چشمِ تر — صفحۂ قرطاس پر لعل و گہر
گاہ تیرا معرکہ آرا قلم — نوحہ خوانِ غفلتِ خیر الامم
گاہ تیرا خامۂ معجز نگار — برقِ فطرت مثلِ تیغِ آبدار
گاہ تیرے دیدہ ہائے خونچکاں — وقفِ تعمیرِ حیاتِ جاوداں
گاہ تیری آہِ سوزاں کے شرار — زندگی کے قصر کے نقش و نگار
گاہ پہنچا تا سرِ عرشِ بریں — تیرا شورِ لا اُحِبُّ الآفلین
آہ پھر بھی اُمتِ خیر البشر — ہے مئے غفلت سے مست و بے خبر
ہے وہی شغلِ مے و مینا و جام — منتشر شیرازۂ ملت تمام
ہے نظامِ دین سے سرتابی وہی — اب بھی طاری ہے گراں خوابی وہی
لذتِ آہِ سحر گاہی نہیں — حق شناسی و خود آگاہی نہیں
جذبۂ احساسِ خودداری نہیں — اضطرابِ ذوقِ بیداری نہیں
آہ کیا اس ملتِ خوابیدہ کو — آہ کیا اب مسلمِ شوریدہ کو

حاجتِ پیغمبر و جبریل ہے
انتظارِ صورِ اسرافیل ہے

علمائے اُمّت

علمائے ہند سے خطاب

نمونے آپ ہیں اس دور میں اسلافِ امت کے
خزینے آپ کے سینے ہیں سرِ علم و حکمت کے
نگہبان آپ ہیں دنیا میں آدابِ شریعت کے
محافظ ہیں جہان میں ملتِ بیضا کی عظمت کے

لقب ہے آپ کا مسند نشینِ سرورِ عالم ؐ
جہان میں آپ ہی ہیں وارثِ پیغمبرِ خاتم ؐ

وراثت میں ملی ہے آپ کو قرآن کی دولت
ودیعت آپ کے سینوں میں ہے ایمان کی دولت
ملی ہے سنتِ پیغمبرِ ذی شان کی دولت
حیاتِ طیبہ کے سرمدی فیضان کی دولت

دلوں میں عاکفانِ صفّہ کا ذوقِ عبادت ہے
رگوں میں کشتگانِ بدر کا خونِ شہادت ہے

جو اس کا پاس ہو تو کیجئے اب احترام اپنا
خدا کے واسطے پہچانئے اوجِ مقام اپنا
جہان میں کیجئے محسوس پھر فرضِ مدام اپنا
ہر اک گوشہ میں جاری کیجئے پھر فیضِ عام اپنا

کہ بزمِ دہر میں دینِ ہدیٰ کے آپ وارث ہیں
فروغِ پرتوِ شمعِ حرا کے آپ وارث ہیں

ضرورت ہے کہ کہئے خیر باد اب خانقاہوں کو
مصافِ زندگی سے آشنا کیجئے نگاہوں کو
وطن میں دیکھئے سعی و عمل کی شاہراہوں کو
جہادِ زیست کی ہنگامہ آرا رزم گاہوں کو

سبق لیجئے حیاتِ پاکِ سرکارِ دو عالم سے
الٹ دیجئے مرقعِ دہر کا ایمانِ محکم سے

مسلمان کے لئے ہی ننگ یہ خوئے غلامانہ — جہادِ حق کی جانب آپ بڑھئے سر فروشانہ

فدا کر دیجئے ملت پہ جانیں مثلِ پروانہ — کہ تازہ دورِ حاضر میں ہو پھر ماضی کا افسانہ

نہیں ہے آج حاجت رسم و راہِ خانقاہی کی
ضرورت آج ہے جوشِ عمل کی بے پناہی کی

علمائے سلف اور علمائے دورِ حاضر

اور

ہنگامۂ تکفیر

ہلا دیتا تھا اک عالم کو شورِ "لاتخف" ان کا — قیامت تھا جہادِ حق میں رہنا سر بکف ان کا

انہیں شایانِ شان تھا وارثِ علمِ نبی کہنا — کہ تھا خلقِ حسن سرمایۂ مجد و شرف ان کا

سبق دیتے تھے صلح و خیر کا افرادِ امت کو — ضیا افگن تھا فیضِ علم و عرفاں ہر طرف ان کا

نوائے دعوتِ حق لے کے وہ جس دم نکلتے تھے — تو خود کرتا تھا باطل خیر مقدم صف بہ صف ان کا

قیامت ہو اگر اس دور میں اخلاف کے ہاتھوں — وہ نقد سیرۂ صد سالہ ہو جائے تلف ان کا

اب ان کے مسندِ ارشاد پر وہ لوگ بیٹھے ہیں — کہ ہر طرزِ عمل ہے باعثِ ننگِ سلف ان کا

بزرگوں سے ملی تھی جو متاعِ بے بہا کھو دی — کہاں اب آہ وہ سرمایۂ عز و شرف ان کا

وہی ہے ابرِ نیساں اب بھی مصروفِ گہر باری — مگر اب لولوئے لالا سے خالی ہے صدف ان کا

فقط اب دیکھئے ہے اک مشغلہ تکفیر کا جاری
مسلمانوں کی جان و دین و ایمان ہیں ہدف ان کا

دُعا

تجھے تیری قسم یارب فغانِ بے نوا سُن لے — خداوندا شکستِ شیشۂ دل کی صدا سُن لے
دعاہائے سحرگاہی کو اذنِ باریابی دے — زبانِ چاک دل سے نالۂ درد آشنا سُن لے
وہ شب ہائے غم کی خلوتیں معمور ہیں جس سے — وہ فریادِ حزیں سُن لے وہ آہِ نارسا سُن لے
یہی چند اشکِ رنگیں ترجمانِ قصۂ غم ہیں — بہت ہی مختصر ہے داستانِ ابتلا سُن لے
ستم ہائے عدو کی میں کہاں فریاد کرتا ہوں — میں کب کہتا ہوں مجھ سے جورِ گردوں کا گلہ سُن لے
مجھے فریاد کرنی ہے خود اپنے دیدہ و دل کی — قیامت ڈھا رہے ہیں خود جو اپنے دست و پا سُن لے
تو خود دانا و بینا ہے مگر میری زبان سے بھی — دلِ مظلوم پر جو کچھ گذرتی ہے ذرا سُن لے
دعا اک ربطِ روحانی ہے آقا اور بندے میں — زبان سے میری یارب میرا حرفِ مدعا سُن لے
پریشاں ہو رہا ہے ہند میں شیرازۂ ملت — پراگندہ ہے حالِ امتِ خیر الوریٰ سُن لے
کہاں وہ شیوۂ صدق و صفا اب تیرے بندوں میں — مسلمانوں کے باہم شکوۂ جور و جفا سُن لے
ادا ہوتا تھا کل تک کلمۂ حق جن زبانوں سے — نکلتا ہے انھیں سے آج حرفِ ناسزا سُن لے
قیامت ہے یہ رسوائی علی الاعلان ہوتی ہے — لبِ مسلم سے خود مسلم کو کافر ماجرا سُن لے
رہے گی آہِ مظلومانِ ملت بے اثر کب تک — کبھی تو درد مندوں کے دلوں کی اے خدا سُن لے

مسلمانوں کو مستِ بادۂ صدق و صفا کر دے
شرابِ کہنۂ یثرب کا پھر ذوق آشنا کر دے

عصرِ حاضر

اور

فرزندانِ توحید

بزرگانِ ملت سے خطاب

کہان ہین اٹھین دردمندانِ ملت
ہے وقتِ عمل اے بزرگانِ ملت

خبر ہے کہ خطرہ مین اب علمِ دین ہے
زمانہ سے مٹنے کو صدق و یقین ہے

دلون پہ ہے سکہ رواں معصیت کا
زمانہ ہے لادینی و دہریت کا

ہر اک سمت ہے کفر و الحاد جاری
جوانانِ ملت پہ غفلت ہے طاری

ذرا بھی انھین پاسِ مذہب نہین ہے
نمازون سے روزون سے مطلب نہین ہے

یہ آئینِ مذہب کے قائل نہین ہین
یہ حکمِ شریعت پہ مائل نہین ہین

ہے شیوہ فقط اُن کا مغرب پرستی
یہی آج ہے اُن کا مقصودِ ہستی

جو دیکھو تو اس فن کے مشتاق ہین یہ
کہ تہذیبِ حاضر کے عشاق ہین یہ

فقط یہ اسی کام کے رہ گئے ہین
مسلمان یہ نام کے رہ گئے ہین

کوئی بھی نہین ان مین دیوانۂ دین
دماغ و دل اُن کے ہین بیگانۂ دین

یہ مذہب کی ہر بات سے بے خبر ہین
سلف کی روایات سے بے خبر ہین

ہین لے دے کے یہ صرف مغرب سے واقف
نہین ہین یہ بطحا و یثرب سے واقف

ہین باطل پہ مبنی خیالات ان کے
ہین الحاد پرور خرافات ان کے

یہان ہیچ ہین علمِ دین کے سفینے
ہین محرومِ نورِ یقین اُن کے سینے

ہے بس علمِ مغرب پہ ایمان ان کا
یہی ہے حدیث اور قرآن اُن کا

انھیں کیا خبر ہیں وہ کس کے خزانے — ہیں پُر جن سے حکمت کے سب کارخانے
انھیں کیا خبر کس سے نسبت ہے اُن کو — انھیں کیا خبر کیا ودیعت ہے اُن کو
انھیں کیا خبر کس کی اولاد ہیں یہ — مگر ننگِ آبا و اجداد ہیں یہ
وہ تھے کون جو دینِ حق پر فدا تھے — خلف جن کے یہ ہیں سلف اُن کے کیا تھے
مسلط جو ہم پر یہ سب لعنتیں ہیں — یہ تعلیمِ مغرب کی سب برکتیں ہیں
نظر آ رہا ہے جو ہم کو یہ نقشہ — ہماری ہی غفلت کا ہے یہ نتیجہ
ہم اس طرح پامالِ باطل نہ ہوتے — جو تعلیمِ قرآن سے غافل نہ ہوتے
سکھاتے جو بچوں کو تعلیم دینی — نہ آتی کبھی ان میں یہ بے یقینی
جو یہ اپنے مذہب سے آگاہ ہوتے — تو کیوں اس طرح آج گمراہ ہوتے
رہیں گے یونہی تا کجا نوحہ گر ہم — غنیمت ہے اب بھی کریں کچھ اگر ہم
ہو بیدار اے قوم کے نونہالو! — اٹھو اب سلف کے دلوں کی دعا لو
اٹھو دینِ حق کے محافظ بنو تم — کتاب اور سنت کے حافظ بنو تم
نگہبان بنو تم متاعِ ہنر کے — ہوں سینے تمہارے خزینے خبر کے
نکات و معارف کے ذوق آشنا ہو — علومِ شریعت کے نکتہ سرا ہو
ہے اس کے سوا ہیچ سب نکتہ دانی — بنا لو اسے مقصدِ زندگانی

مسلمان نہ ہو صرف اب نام کے تم
نمونہ ہو اخلاقِ اسلام کے تم

عہدِ حاضر کا مسلمان

اس عہد میں پوچھو نہ مسلمان کے قرینے
بے نور جبینیں ہیں تو تاریک ہیں سینے

جن سے تھی کبھی خاتمِ ہستی نظر افروز
اب داغ ہیں یکسر وہی شفاف نگینے

سینوں میں کہاں آج سفینوں میں ہیں مدفون
وہ علم و معارف کہ ہیں ایمان کے خزینے

بے فائدہ اُن کے لیئے اسرار کے دفتر
بیکار ہیں سب حکمت و عرفان کے سفینے

محروم کیا ذوقِ حیاتِ ابدی سے
مسلم کو فقط جذبۂ ایمان کی کمی نے

اس دور میں صد حیف انہیں وہ بھی نہیں یاد
پیغام دیا تھا جو رسولِ عربی نے

مدت سے ہے آتش کدۂ شوق فسردہ
پہلو میں یہاں برف کی سل ہوگئے سینے

دو آہِ شبی ہے نہ دعائے سحری ہے
غفلت میں گزرتے ہیں یونہی بارہ مہینے

جینا وہ اگر چاہیں یونہی بزمِ جہاں میں
کب دیں گے زمانہ کے حوادث انہیں جینے

عہدِ حاضر کے نوجوانانِ اسلام

یہ مانا اے عزیزو حکمت آموزِ جہاں تم ہو
علومِ عصر کے آئین شناس و نکتہ داں تم ہو

نگاہوں میں ہے مستی نشۂ صہبائے دانش کی
خمارِ بادۂ علم و ہنر سے سرگراں تم ہو

رگوں میں ہے تمہاری جو یہ خونِ زندگی جاری
خدا کا شکر ہے سر تا قدم اربابِ جاں تم ہو

حیاتِ تازہ طوفان خیز ہی ہر قطرۂ خون مین
خدا رکھے ادائین کہہ رہی ہین نوجوان تم ہو

یہ مانا سروِ رعنا ہو شکوہ و سربلندی کے
یہ مانا آئینہ دارِ وقار و عز و شان تم ہو

یہ سب کچھ ہے بجا لیکن خدارا یہ تو فرماؤ
کہ بزمِ دہر مین کس کے چراغِ دودمان تم ہو

بتادو یہ کہ کس کے نونہالانِ چمن تم ہو
یہ فرمادو کہ کس گلزار کے سروِ روان تم ہو

کہان تم جادہ پیما ہو کہان منزل تمھاری ہی
تمھین کچھ ہوش بھی ہی کس کی گردِ کاروان تم ہو

اگر پاسِ شرف ہی کچھ تو پہچانو مقام اپنا
تمھین احساس ہی اس بزمِ ہستی مین کہان تم ہو

وراثت تم نے پائی ہے سلف کے نامِ نامی کی
خبر بھی ہے جہان مین یادگارِ باستان تم ہو

رگ و پے مین تمھاری اب بھی جن کا خون جاری ہی
انھین اسلاف کے سرمایہ دارِ عز و شان تم ہو

مگر اے دوستو! اک بات تم سے پوچھتا ہون مین
بزرگانِ سلف کے آج کیا شایانِ شان تم ہو

یقین یہ ہی اگر اس دور مین اسلاف جی اٹھین
نہ مانین یہ کہ ان کے ہی چراغِ دودمان تم ہو

خردمندو! کبھی کچھ غور بھی اس پر کیا تم نے
کہ کیون یون پائمالِ انقلابِ آسمان تم ہو

سبب کیا ہی تمھیں اب دہر مین جینا نہین آتا
مگر ناواقفِ رازِ حیاتِ جاودان تم ہو

جو مسلم ہو تو مسلم کا طریقِ زندگی سیکھو
وہی رخشندگی سیکھو وہی تابندگی سیکھو

بس اتنا ربط ہے اب ملتِ اسلام سے تم کو
کہ تھوڑا سا تعلق رہ گیا ہی نام سے تم کو

تمھاری زندگی مین ولولے اس کے نہین باقی
ہی بیزاری خدا کے آخری پیغام سے تم کو

کہان اب وہ سرور و انبساط و کیفِ روحانی
خدا کے نام سے تم کو نبی کے نام سے تم کو

زبانوں پر ہے کلمہ حکمت آموزانِ مغرب کا — عقیدت اب کہاں پیغمبرِ اسلامؐ سے تم کو
تمھیں ہو ذوق کیونکر مشرقی علم و معارف سے — شغف سا ہو رہا ہے مغربی اوہام سے تم کو
تمھارے واسطے تہذیبِ حاضر مایۂ نازش — اگر ہے عار تو بس سنتِ اسلام سے تم کو
تعلق جس قدر ہے تم کو تفریحی مشاغل سے — نہیں اتنی بھی نسبت دین کے احکام سے تم کو
خدا کا حکم مانو دین کی خدمت بجا لاؤ — بھلا فرصت کہاں اتنی دلِ خود کام سے تم کو
تمھیں کیا دینِ حق گر صفحۂ ہستی سے مٹ جائے — تن آسانی سے مطلب واسطہ آرام سے تم کو
کبھی جوشِ عمل کا ولولہ پیدا نہیں ہوتا — گلہ گردوں سے شکوہ گردشِ ایام سے تم کو
رہوگے یونہی محوِ خوابِ غفلت تا کجے آخر — سبق ملتا ہی کچھ بیداریِ اقوام سے تم کو
زمانہ کے حوادث تم کو کچھ پیغام دیتے ہیں — نیا درسِ عمل لینا ہے صبح و شام سے تم کو
خبر بھی ہے کہ ہے مدت سے دنیائے عمل سونی — اٹھانا ہے نیا اک حشر ہر اک گام سے تم کو

اٹھو پھر از سرِ نو دہر میں ہنگامہ آرا ہو
نئے جوشِ عمل سے نوجوانو! جادہ پیما ہو

عہدِ حاضر کے اوہامِ باطلہ

اک باخبر بزرگ سے پوچھا جو مین نے کل — دنیا مین کیون ہین آج رذائل نئے نئے
چھایا ہے کیون دماغون پہ یورپ کا فلسفہ — مغربی کی حکمتون کے ہین قائل نئے نئے
وردِ زبان نظامِ معیشت ہین نو بہ نو — بحثیں نئی نئی ہین مسائل نئے نئے

سرمایہ کا کہیں کہیں محنت کا ہے سوال
ہیں خدمتِ شکم کے وسائل نئے نئے

الحاد کا شکار ہیں ملت کے نوجوان
ہیں تیغِ کارل مارکس کے گھائل نئے نئے

پھیلا ہوا فریبِ مساوات کا ہے دام
کچھ ہو چکے اسیر ہیں مائل نئے نئے

اوہامِ باطلہ ہوں کہ افکارِ فاسدہ
مذہب کے راستہ میں ہیں حائل نئے نئے

شرع و نظامِ ملتِ اسلام کے خلاف
صف بستہ ہیں وطن میں قبائل نئے نئے

اخلاق ہیں وہ اب نہ وہ اوصافِ زندگی
دورِ جدید کے ہیں فضائل نئے نئے

صورت بدل گئی ہے تو سیرت بدل گئی
ہیں آج نوجوان کے خصائل نئے نئے

گر ان سے پوچھئے سبب اس انقلاب کا
براہین نئے نئے ہیں دلائل نئے نئے

سُن کر زبانِ پاک سے ارشاد یہ ہوا
کچھ بے سبب نہیں یہ رذائل نئے نئے

در اصل ہے یہ حکمتِ دین سے کمر آگہی
پیدا کئے ہیں جس نے مسائل نئے نئے

دولت جو اپنے گھر میں ہے اُس کی نہیں خبر
دریوزہ گر ہیں غیر کی چوکھٹ پہ در بدر

دورِ جدید

مواعظِ مجد بلیا

عجیب فتنہ ہے یارب جہان میں دورِ جدید
نہ فکرِ روزِ قیامت نہ خوفِ یومِ وعید

ہے اس کی عقلِ تجدد نواز کا فتویٰ
جہانِ کہنہ کی ہر شے ہے لائقِ تجدید

اسے پسند نہیں اب یہ بزمِ فرسودہ
زبان پہ اس کی ہے اک تازہ انجمن کی نوید

نئی اساس پہ دنیائے نو کرو تعمیر
بنائے کہنہ کے ڈھانے کی ہے ہمیں تاکید

کسی طرح سے یہ بزمِ جہان بدل جائے
وہ کر رہا ہے ہر اک انقلاب کی تائید

جدید طرز پہ ہو اجتہادِ فکر و نظر
کہ عہدِ نو میں خطا ہے قدیم کی تقلید

عبث ہیں آج روایاتِ سیزدہ صد سال
ہے اب یہ دفترِ پارینہ لائقِ تردید

سنن صحاح و مسانید کا دفترِ پارین
نئے سرے سے ہے محتاجِ خامۂ تنقید

قدیم عہد کے سرمایہ ہائے منقولات
جدید دور کے عقل و قیاس سے ہیں بعید

اصولِ شرع میں بھی ناگزیر ہے ترمیم
کہ انقلابِ زمانہ کا اقتضا ہے شدید

اسے بھی ڈھال دو اب عہدِ نو کے سانچے میں
تمہارے پاس ہے موجود جو کتابِ مجید

جہانِ نو میں نہیں اعتبار کے قابل
یہ فلسفہ یہ شریعت یہ فقہ بے تجدید

ضرورت اب ہے کہ ان کو جہان میں پیش کرو
بہ ذوقِ دانشِ حاضر بہ آب و رنگِ جدید

زبانِ پاک پہ دانشورانِ حاضر کے
بڑی ہی شان سے ہیں یہ نوائے تجدید

ہزار حیف یہ نکتہ ہے ان سے پوشیدہ
بری ہے نسخ و تغیر سے مذہبِ توحید

غلغلۂ اسلام

اور

موجودہ مسلمان

تابشِ بزمِ جہان نازشِ دوران تم ہو
غلغلۂ شرفِ عالمِ امکان تم ہو

جس کا سر تاجِ خلافت کا سزاوار ہوا
محفلِ دہر مین وہ صاحبِ عرفان تم ہو

مطلعِ نور ہوئی جس سے شبِ تارِ حیات
وہ مبارک سحر و صبحِ درخشان تم ہو

ہے بجا یہ بھی کہ ظلمت کدۂ عالم مین
شمعِ تابندہ و قندیلِ فروزان تم ہو

جگمگانے لگا جس سے یہ شبستانِ وجود
وہ دل افروزِ تجلّی وہ چراغان تم ہو

اس کشاکش گہِ ہستی مین حقیقت یہ ہے
راحت و عافیت و امن کا سامان تم ہو

چمنستانِ خزان دیدۂ گیتی کے لئے
مژدۂ نشأۃ و پیغامِ بہاران تم ہو

اپنی ہستی کی حقیقت کو اگر سمجھا تو
آج دنیا کے ہر اک درد کا درمان تم ہو

شور ہے آج بھی عالم کے صنم خانون مین
سرفرازِ شرفِ دولتِ ایمان تم ہو

گوشہ گوشہ سے جہان کے یہ صدا آتی ہے
دہر مین ملتِ بیضا کے نگہبان تم ہو

بزمِ امکان کا ہر اک گوشہ ہے شاہد اس کا
آج بھی وارثِ پیغمبرِ ذی شان تم ہو

دہر ہے اس خبرِ حق سے پُر آوازہ ہنوز — حامیِ دینِ متین حاملِ قرآن تم ہو

تیرہ سو سال سے جن سے ہین سفینے معمور — ان روایات پہ ہان آج بھی نازان تم ہو

مگر انصاف سے یہ بھی تو ذرا فرما دو — آج کیا نسبتِ اسلام کے شایان تم ہو

تم کبھی کیا تھے زمانہ مین مگر اب کیا ہو — اپنے اعمال پہ کچھ آج پشیمان تم ہو

یون تو کہنے کو مسلمان تمھین سب کہتے ہین
تمھین انصاف سے کہدو کہ مسلمان تم ہو

مسلمانانِ ہند سے خطاب

مسلمانو! کبھی ہنگامہ آرائے جہان تم تھے — فروغِ بزمِ ہستی رونقِ کون و مکان تم تھے

جنھین تھمنا نہ آتا تھا جہادِ زندگانی مین — وہ سرگرمِ سفر وہ جادہ پیما کاروان تم تھے

پہاڑون کی بنائین جن کی ٹکر سے لرزتی تھین — وہ طوفانِ تلاطم خیز وہ سیلِ روان تم تھے

جنھین بزمِ طرب بھی رزم گہ تھی وہ مجاہد تھے — جنھین موت ایک بازیچہ تھی وہ اربابِ جان تم تھے

تمھین سے دہر مین تھی ہر طرف ہنگامہ آرائی — کہ بزمِ فطرتِ بیتاب کی روحِ روان تم تھے

تمھاری ہر نظر رمز آشنائے جہدِ پیہم تھی — کہ دنیا مین حیاتِ سرمدی کے رازدان تم تھے

تمھاری زندگی آئینہ دارِ دینِ بیضا تھی — محافظ ملک و ملت کے وطن کے پاسبان تم تھے

تمھارا پرچمِ اقبال لہراتا تھا دنیا مین — جہادِ زندگی مین کامگار و کامران تم تھے

شہنشاہون کی جانب بھی نگاہین تک نہ اٹھتی تھین — خمارِ بادۂ وحدت سے ایسے سرگران تم تھے

تمھارے دم سے تھا اسلاف کا مجد و شرف باقی
ابھی کل تک وطن میں یادگارِ باستاں تم تھے

تمھارا ہی تمدن شرق سے تا غرب پھیلا تھا
دماغ و دل کی دنیا پر ابھی کل حکمراں تم تھے

جہاں کو جگمگاتی تھیں تمھاری فیض کی کرنیں
فروغِ بزمِ مشرق تابشِ ہندوستاں تم تھے

مگر اب آہ ہو محروم ذوقِ زندگی ایسے
یقیں آتا نہیں پہلے کبھی اربابِ جہاں تم تھے

تمھیں نے اپنی حالت آپ بدلی ورنہ بتلاؤ
کبھی یوں پائمالِ انقلابِ آسماں تم تھے

میں کچھ کہتا نہیں اب خود تمھیں انصاف سے کہہ دو
کبھی پہلے بھی ایسے سر خوشِ خوابِ گراں تم تھے

مردانِ خدا کی تلاش

دے مجھ کو کسی مسلم خالص کا پتہ بھی
یا رب ہیں جہاں میں علما بھی حکما بھی

سونے نہیں اب بھی ہیں یہاں منبر و محراب
گلبانگ مناجات بھی ہے شور دعا بھی

ہے نغمۂ توحید بھی مسلم کی زباں پر
تسبیح بھی ہے زمزمۂ حمد و ثنا بھی

اللہ کا گھر اب بھی نمازوں سے ہے معمور
پُر شور اذانوں سے ہے عالم کی فضا بھی

ہے مسندِ ارشاد بھی تذکیر سے آباد
اصحابِ مواعظ بھی ہیں اربابِ ہدیٰ بھی

دستارِ فضیلت بھی سروں پر ہے مزیّن
سر تا بہ قدم زہد و تقدس کی قبا بھی

دیکھو جسے ہے دلقِ مرقع میں بھی ملبوس
اوڑھے ہوئے ہے فقر کی پارینہ ردا بھی

ہیں مدرسہ میں حکمت و دانش کے بھی جلوے
پھیلی ہوئی ہے علم و معارف کی ضیا بھی

مکتب میں ادادانِ تفقہ بھی ہیں موجود
قرآن و احادیث کے ہیں نکتہ سرا بھی

اربابِ معارف کا بھی کچھ قحط نہیں ہے
اسرار و غوامض کے ہیں یاں عقدہ کشا بھی

جاری ہیں شریعت کے بھی احکام و اوامر
ہر سو ہے بچھی مسندِ افتا و قضا بھی

ملت کی مجالس بھی اسی طرح ہیں سرگرم
اخبارِ پیمبر بھی ہیں اذکارِ خدا بھی

ہے محفلِ عرفان بھی بپا خانقہوں میں
آراستہ ہے دائرۂ صدق و صفا بھی

ہر گوشۂ خلوت کدۂ زاہدِ مرتاض
گویا کہ وہ ہے جلوہ گہِ شمعِ حرا بھی

کیا کیا نہیں اس عہد میں موجود ہے لیکن
مطلوب ہے اب دین کو کچھ اس کے سوا بھی

ہنگامے یہ سب کچھ ہیں مگر یہ تو بتاؤ
ہیں آج کہیں دہر میں مردانِ خدا بھی

مذہبِ حق
سے
بیگانگی

حیف یہ دور ہے محرومِ رسولِ عربیؐ
زندہ سینہ میں ہے اس کے شرر بولہبی

جس کی گرمی تھی حیاتِ دلِ مومن کا فروغ
ہم میں باقی نہیں وہ ولولۂ حق طلبی

نہ وہ خمخانۂ یثرب کا ہے فیضانِ نشاط
نہ وہ رندانِ مے آشام کی ہے تشنہ لبی

ملتِ حق سے یہ بیگانگی اللہ اللہ ،
جیسے اس دور کو مطلوب نہین دینِ نبی

دہر مین آج ہے صد حیف مسلمان کا شعار
کام جوئی و تن آسانی و راحت طلبی

مایۂ عز و شرف نسبتِ اسلام نہین
لائقِ فخر و مباہات ہے عالی نسبی

دلِ افسردہ ہے بیگانۂ سوزِ غمِ عشق
نالہ ہاے سحری ہین نہ دعاہاے شبی

امتِ خیر بشر اور یہ احوالِ زبون
نظر آتی ہے زمانہ مین یہ کیا بوالعجبی

کیا ترے شرعِ گرامی کی ہے تعلیم یہی
ایکہ قربانِ تو صد مرتبہ اُمی و ابی

ہم اور اپنے کو کہین پیروِ پیغمبرِ حق
اس سے بڑھ کر نہین دنیا مین کوئی بےادبی

تجلّیات

عبادت

کے لوازم و آثار

یہی ہیں شمعِ عبادت کے لازمی انوار
کہ آئینہ کی طرح تزکیہ ہو باطن کا

ہو محو معصیتِ روز و شب کا داغِ کہن
ازالہ یعنی ہو باطن کے دردِ مزمن کا

کدورتوں سے یہ آئینہ صاف ہو جائے
محبتوں کا خزینہ ہو قلبِ مومن کا

حیات خوبیٔ اخلاق سے سنور جائے
مرقع آپ ہوں سر تا قدم محاسن کا

ہو خلق موردِ الطافِ نطقِ شیریں سے
نہ ہو نشانہ کوئی ناوکِ مطاعن کا

ہر اک عمل میں ہو "احسان" کی جلوہ فرمائی
کہ ہے بلند جہاں میں مقام محسن کا

قبول انہی کو خدا کے یہاں بھی حاصل ہے
ہے نیک خلقِ خدا سے معاملہ جن کا

شرابِ ذکر سے یہ کیف اگر نہ ہو طاری
ہنوز شیشۂ دل تزکیہ سے ہے عاری

قیامِ لیل و رکوع و سجود ہیں بے سود
خزینہ صدق و صفا کا اگر نہیں سینہ

جلا فروغِ ہدایت سے پا نہیں سکتا
اگر ہے زنگ سے تاریک دل کا آئینہ

رہے گا مشقِ ریاضت سے بھی یونہی بے نور
وہ سینہ جس میں نہیں معرفت کا گنجینہ

زبان کے ذکر و تلاوت سے فائدہ نادان
بھرا ہو دل میں جو بغض و عداوت و کینہ

نہیں ہے نفس کی اصلاح اس قدر آسان — بڑے ریاض سے ٹلتی ہے خوے دیرینہ
قبولیت کی ہے معراج تزکیہ دل کا — یہ بامِ قدس کا گویا ہے اولین زینہ
غرض ہے سب کی رضاے خدا و صدق و صفا — شبینہ ذکر و عبادت ہوں یا ہوں روزینہ
ظہور اگر نہ ہو عابد سے ان محاسن کا
جلا کا ہے ابھی محتاج شیشہ باطن کا

شہداے ملت

زندہ جاوید ہیں ملت کے شہیدانِ کرام — نوجوانو تمھیں معلوم بھی ہے اُن کا مقام
یہ وہ مرحوم ہیں جن کے لئے خود رحمتِ حق — لیکے آتی ہے حیاتِ ابدی کا پیغام
ان کے لاشوں پہ فرشتوں کی صفیں ہوتی ہیں — لیکے اترے ہیں جو خوشنودی حق کا انعام
پاک و معصوم زبانیں ہوئیں مصروفِ دعا — اس عقیدت سے ملائک ہوئے سرگرمِ قیام
یہ وہ اربابِ بقا ہیں کہ لہو سے اپنے — کھینچے صفحۂ ایام پہ ہیں نقشِ دوام
سرخرو ملتِ بیضا ہے اُنھی کے دم سے — خون اُن کا ہے مگر غازۂ روے اسلام
چمنِ خلد کا اک تازہ گلِ خنداں ہے — نہیں آغشتہ بخون ہے وہ جبینِ گلفام
اللہ اللہ وہ رعنائی رخسارِ شہید — بھول سکتی ہے بھلا اس کو نگاہِ ایام
آرزومندِ حیات آہ انھیں کیا جانیں — مرکے ہوتے ہیں جو فردوس مکان خلد مقام
جب شہادت کی نوید ابدی آتی ہے — ہر نفس زیست کا اُن کے لئے ہوتا ہے حرام

کیا زمانہ نہین اس راز سے آگاہ ابھی　　تابشِ روے شہیدان ہے فروغِ اسلام
دی ہے جن کے دم جان بخش نے ملّت کو حیات
اُن کی روحون پہ ہو سو بار درود اور سلام

جمالِ شہادت

کہان یہ نزہتین رنگینیِ صبحِ گلستان مین　　کہان یہ تازگی فردوس کے گلہاے خندان مین
کہان یہ تابناکی سُرخیِ لعلِ بدخشان مین　　غضب کی دلکشی ہی رنگِ رخسارِ شہیدان مین
تماشا دیدنی ہے خلد کے ان جانے والون کا
سنوارا دیکھیے آکر ذرا ان خوش جمالون کا

کفن کیا اُن کے رُخ پر خود لہو کی سرخ چادر ہی　　ضرورت غسل کی کیا، خود تنِ زیبا مطہر ہی
ابھی تک زلفِ خون آلودہ خوشبو سے معطر ہی　　رُخِ گلگون ہے یا باغِ ارم کا اک گلِ تر ہی
نہین بے وجہ یہ رنگینی و حُسن خود آرائی
زمین سے آسمان تک آج ہین انکے تماشائی

جو سچ پوچھو تو باقی ہے انھین سے آبروے ملّت　　انھین کے دم سے ہوتی ہی جہان مین سرخروئی ملّت
انھین کے فیض سے کرتی ہی کسبِ رنگ و بو ملّت　　انھین کے خون سے رہتی ہی ہر دم باوضو ملّت
ہے جاری قوم کی رگ رگ مین فیضان نمو ان کا
مگر ملّت کے حق مین آبِ حیوان ہے لہو ان کا

جمالِ ملک و ملت ان کے دم سے تازہ ہوتا ہے
کہ ان کا سُرخ خون ملت کے رُخ کا غازہ ہوتا ہے
وطن ان سے زمانہ میں بلند آوازہ ہوتا ہے
مرتب قوم کا بکھرا ہوا شیرازہ ہوتا ہے
انہیں سے ملتوں نے ہے حیاتِ جاودان پائی
دکھاتے ہیں زمانہ کو یہ اعجازِ مسیحائی

متاعِ شوق و مستی قوم کو انعام دیتے ہیں
وطن کو یہ تمنائے شہادت دام دیتے ہیں
نویدِ زندگی ملت کو صبح و شام دیتے ہیں
یہ خود مر کر حیاتِ تازہ کا پیغام دیتے ہیں
انہی کے دم سے ملت زندۂ جاوید ہوتی ہے
کہ ان سے اُسوۂ اسلاف کی تجدید ہوتی ہے

اللہ کی نشانیاں

(ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند)

یہ چاند سورج یہ کوہ و دریا
یہ مُرغ و ماہی یہ وحش و طائر
یہ سقفِ گردون یہ بزمِ انجم
ارض و سما کے آثارِ ظاہر
یہ پھل یہ پتے یہ گل یہ غنچے
درس و حکم کے اوراقِ طاہر
معمور جن سے صحنِ چمن ہے
وہ رنگ و بو کے سارے مناظر
نکہت پہ جن کی قربان ہے بلبل
نکہت سے جن کی بیخود ہے شاعر

یہ جو پہاڑون کے دامنون مین — چشمے ہین جاری شفاف و طاہر
ہین کس کی فطرت کے یہ کرشمے — ہین کس کی قدرت کے یہ مظاہر
کس نے بنائے ہین یہ عجائب — کس نے سجائے ہین یہ نوادر
برگ و شجر ہون یا سبزہ و گل — ہر ایک ذاکر ہر ایک شاکر
یہ ابر و باد و خورشید و انجم — گردش مین پیہم ہین کس کی خاطر
خود جان نوازی کو یہ ہوائین — خدمت مین کس کی رہتی ہین حاضر
کس کے لئے ہین سب کار فرما — اک لمحہ تم بھی سوچو تو آخر
یونہی نہین یہ پیدا ہوئے ہین — دیتے ہین یہ کچھ درسِ بصائر
فکر و نظر کا ہے باز دفتر — درکار لیکن ہے چشمِ غائر

مامورِ خدمت ہے ذرہ ذرہ
اے وائے گر خود انسان ہو قاصر

نقاشِ فطرت

فطرت کے قلم کی گل کاری کس درجہ ہے لائقِ دیدہ وری — ہین رنگ برنگ کے پھول کھلے پتے ہین ہرے شاخین ہین ہری
یہ چاند یہ سورج یہ انجم یہ بزمِ فلک تارون سے بھری — سوچا بھی ہے نادان تو نے کبھی کس حسن کی ہے یہ جلوہ گری
اس کون و مکان کا ہر ذرہ ہے کس کے فیض سے نورانی — ہین کس کی پرتو افشانی یہ دن شمسی یہ راتین قمری
یہ مزرعِ عالم یہ گیتی دیکھو تو ہے از سر تا بقدم — پودون سے سجی پھولون سے لدی خوشون سے پٹی دانون سے بھری

ہے کس کے خامۂ رنگین کی نقش آرائی شورانگیزی
اُن گل کی یہ چہرہ افروزی بلبل کی یہ شوریدہ جگری

یہ حمد و ثنا کے نغمے یہ گلبانگ دعا اللہ اللہ
ہیں زمزمہ سنجانِ گلشن مصروف نواہائے سحری

اس گل کدۂ فطرت ہیں اگر ہو ذوقِ تماشا ذوقِ نظر
منقوش ہو پتے پتے پر نقاشِ ازل کی نقش گری

اب بھی نہ کسی کو نظر آئیں گر حُسنِ حقیقت کے جلوے
ہے ذہن کی یہ نارسائی ہے فکر کی یہ بے بال و پری

ہے ورنہ چمن کا ہر ذرّہ اسرار و معارف کا دفتر
ہے تیری ہی نادان کم نگہی ہے تیری ہی غافل کم نظری

خالق کا تصوّر

بچّوں کے دل میں

سوچو تو آخر اے پیارے بچو
تم کس کے ہاتھوں کے ہو سنوارے

ماؤں کی گودوں کو اللہ اللہ
بخشے ہیں کس نے یہ ماہ پارے

کس نے سجائی دنیا کی محفل
چمکائے کس نے یہ چاند تارے

خود آسمان کا یہ شامیانہ
سر پہ کھڑا ہے کس کے سہارے

یہ مسکراتی صبحیں یہ شامیں
کس کی بدولت ہیں یہ نظارے

کھیتوں کو کس نے سیراب یوں
کس نے بہائے دریا کے دھارے

مٹی کے سینہ کو چیر کر خود
کس نے زمین سے دانے اُبھارے

رنگین نغمے، دلکش ترانے، — چڑیوں کے دل مین کس نے اُتارے
قدرت سے کس کی ہر سو رواں ہین — دریا کے اندر یہ سیم پارے
جگنو مین بھر کر کس نے تجلی — ہر سو اُڑائے زندہ شرارے
یہ گل یہ بوٹے یہ پھل یہ پتے — کس نے تراشے کس نے سنوارے
شبنم کی ننھی بوندوں سے دھو کر — پھولوں کے چہرے کس نے نکھارے
ہین ذرہ ذرہ مین کارفرما — کس کے کرشمے کس کے اشارے
اس رنگ و بو مین کوئی چھپا ہے — در پردہ ہین یہ کس کے نظارے

ہان ہان وہی ہین اے پیارے بچو!
خالق تمھارے رازق تمھارے

مقدمِ ماہِ صیام

صد شکر کہ رحمت کا مہینہ نظر آیا — مومن کے لئے وجہ سکینہ نظر آیا
وہ ماہ ہوا جس مین درِ فیض ازل باز — انوارِ الٰہی کا خزینہ نظر آیا
بڑھتے ہوئے طوفانِ ضلالت مین جہان کو — عرفان و ہدایت کا سفینہ نظر آیا
ظلمت کدۂ دہر کی تاریک فضا مین — ہر سمت تجلی کا قرینہ نظر آیا
خود چشمِ کواکب کا اشارہ ہے کہ یہ ماہ — ایام کے خاتم کا نگینہ نظر آیا
اذکار سے پُرنور عبادات سے معمور — ہر بندۂ اللہ کا سینہ نظر آیا

راتیں ہوئیں تسبیح و تراویح سے آباد
ذوقِ عباداتِ شبینہ نظر آیا

ہے چشمِ تصور میں قیامُ اللیل کا منظر
نظارۂ سحرگہِ مدینہ نظر آیا

توحید کے میخانے میں یا صحنِ مصلّٰی
عابد کے کفِ دست میں مینا نظر آیا

وارفتگیٔ شوق میں سجدوں پہ ہیں سجدے
وہ کیفِ عجب دورِ شبینہ نظر آیا

ہر سمت ہے پھیلی ہوئی وہ تابِ تجلّی
ہر گوشہ تماشا گہِ سینا نظر آیا

حق یہ ہے کہ اس ماہ کا ہر لمحۂ اقدس
بامِ فلکِ قدس کا زینہ نظر آیا

صدقے میں ملی جس کے ہمیں دولتِ کونین
قروہ کہ وہ پُرنور دفینہ نظر آیا

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ

لئے سینے میں برقِ طور پھر ماہِ صیام آیا
شبستانِ جہاں میں پھر تجلّی کا پیام آیا

دلِ رندانِ بے آشام میں اک حشر برپا ہے
کہ خمخانوں میں پھر دورِ مے و مینا و جام آیا

ملائک عرش پہ یہ زمزمہ خوش ہو کے گاتے ہیں
کہ مومن کے لئے پھر کیف و مستی کا مقام آیا

جو تھے زار و زبوں مدت سے پھر ان تشنہ کاموں کو
بحمد اللہ پیامِ لذتِ شربِ مدام آیا

مساجد ہیں کہ میخانے ہیں یارب ذکر و عرفاں کے
جسے دیکھو یہاں وارفتگی میں تیز گام آیا

مصلّٰی کی صفیں ہیں یا ہے برپا محفلِ رنداں
ہے کیفِ "رتّلِ القرآن" یا گردش میں جام آیا

مدارج پے بہ پے گویا کئے طے اس نے عرفاں کے
سوئے میخانہ سرمستی میں جو ہر ایک گام آیا

ہوا ہر رند مینا در بغل اس بزم میں آکر
اٹھا سرشار جو اس میکدہ میں تشنہ کام آیا

خدا کا شکر ہے مدت کے بعد ان پاک ایام میں
خدا کے پاک بندوں کے لئے دورِ قیام آیا

قیامِ لیل و تسبیح و تراویح و عبادت کا
جدھر دیکھو نظر اک ذوق و شوق و اہتمام آیا

وہ ماہِ پاک جس میں لطفِ یزدان کی نوید آئی
وہ ماہِ پاک جس میں رحمتِ حق کا پیام آیا

وہ ماہِ قدس جس میں عرش سے روح الامین اتر کر
وہ ماہِ قدس جس میں فرش پر حق کا کلام آیا

وہ ہر اک وقفہ جس کا مہبطِ انوارِ ربانی
وہ ہر اک لمحہ جس کا درخورِ صد احترام آیا

وہ لیلائے شبِ قدر اس کے محمل میں ہے آسودہ
کہ جس کا خالِ مشکین مرکزِ خیر و سلام آیا

بشارت انبیائے پاک جس کی دیتے آئے تھے
وہ انعامِ ازل اس ماہ میں ہو کر تمام آیا

ہوا نازل سفینہ علم و عرفان و ہدایت کا
صحیفہ حق کا لے کر یعنی خود خیر الانام آیا

بدل دی دل کی دنیا یک قلم ایمان و عرفان نے
کہ ہستی کے لئے اک تازہ روحانی نظام آیا

مناظرِ قدرت

چاند

اے نگارِ مہ جبیں اے شمعِ بزمِ لامکاں
اے بتِ سیمیں تن اے چشم و چراغِ آسماں

تو ہے کس مہرِ درخشاں کا فروغِ مستعار
تو ہے کس شمعِ جمال افروز کا آئینہ دار

جلوہ آرا تجھ میں ہے عکسِ جمالِ روئے یار
دیکھ کر تجھ کو نہ ہوں عشاق کیونکر بیقرار

ہیں ترے شایانِ شان ای ملکِ شب کے پیراہن
یہ قصورِ نیلگوں یہ تخت و تاجِ زرنگار

یہ کمالِ حسن تیرا اور یہ نورانی شباب
اللہ اللہ اس قدر بے پردہ عریاں بیحجاب

ہے ضیابخشی سے تیری ذرہ ذرہ غرقِ نور
تیری ضو سے بام و در ہیں رشکِ صد کوہِ طور

سطحِ دریا پر بہارِ جلوۂ مہتاب ہے
یا کبھی پانی پہ یہ اک چادرِ سیماب ہے

وہ ترا گرداب کے حلقوں میں رقصِ جلوہ پاش
وہ تری موجوں کے جھرمٹ میں ادائے ارتعاش

شیشۂ سیال میں وہ عکسِ مہتابی ترا
موج کی آغوش میں وہ رقصِ سیمابی ترا

اے مہِ شب تاب اے چشم و چراغِ کائنات
اے مہِ شب تاب اے شمعِ شبستانِ حیات

تیرے جلووں سے سیہ خانہ بھی عشرت خانہ ہے
تیری ضو سے خانۂ ویرانہ بھی کاشانہ ہے

میرے ویرانہ میں بھی کاش آئے دم بھر چاندنی
سایۂ اشجار سے آجائے چھن کر چاندنی

میرے پیارے چاند آخر کس قدر پیارا ہے تو
کس قدر حسن آفریں کتنا جمال آرا ہے تو

یہ جمالِ دلربا یہ عارضِ سیمیں ترا
یہ عذارِ یاسمیں یہ خندۂ نوشیں ترا

تو نکلتا ہے تو بڑھ جاتی ہے بیتابی مری
مجھ کو تڑپا دیتی ہے تقدیرِ سیمابی مری

مجھ کو کر دیتا ہے سودائی یہ نظارہ ترا — دیکھتا رہتا ہون مین روے جمال آرا ترا
تری کرنون سے لپٹ جاتا ہون مین مستانہ وار — چومتا ہون عارضِ سیمیں ترا دیوانہ وار
تری ان سیمین اداؤن پر غرض مرتا ہون مین — تیرے ان جلوون سے دامانِ نظر بھرتا ہون مین
تجھ سے جب ہوتی ہین خلوت کی ملاقاتین مری — ہائے تو کرتا ہے پھر کیا کیا مداراتین مری
تو ہی جب تک تجھ سے ہوتی رہتی ہین باتین مری — یونہی کٹ جاتی ہین ساری چاندنی راتین مری
رہتی ہے پہرون یہی کیفیتِ راز و نیاز — تجھ سے رہتی ہے یونہی گفتگون حدیثِ سوز و ساز
باوجود اس قرب کے بھی آہ تجھ سے دور ہون — اے مہِ کامل مین تیرا عاشقِ مہجور ہون

میرے پیارے چاند آجا تو مری آغوش مین
دوسرا کوئی نہین اس وادیِ خاموش مین

گلاب کا پھول

اے آب و رنگِ گلہاے خندان — چشم و چراغِ بزمِ گلستان
اے شاہدِ گل اے جانِ بلبل — اے ساغرِ دل ایمانِ رندان
صدقے ترے ان رعنائیون کے — زیب و طرازِ فردوسِ رضوان
قربان تری ان رنگینیون پر — حسن و جمالِ جوشِ بہاران
گلشن ہے تیرے جلوون سے روشن — تو ہے چمن کی شمعِ شبستان
تو جلوہ زن ہے یا شاخِ گل خود — ہے گرمیِ ضو سے شعلہ افشان

تو وہ مرقع ہے رنگ و بو کا — جس مین جمالِ فطرت ہے پنہان
تو وہ ادا ہے حسنِ نمو کی — جس پہ کمالِ صنعت ہے قربان
ہے تیری ہستی وہ نقشِ رنگین — خود کلکِ فطرت جس پہ ہے نازان
خود دادہ تیری سربستہ نکہت — سرشار تیری بوے پریشان
رشکِ عروسِ حجلہ نشین ہین — تیری معطر دوشیزہ کلیان
سورج کی کرنین مشاطہ تیری — بادِ بہاری گہوارہ جنبان
لیتا ہے بڑھکر تیری بلائین — دستِ شعاعِ مہرِ درخشان
یہ شانِ تمکین یہ روے رنگین — آئینہ سوا حسنِ پشیمان
ہان اے نگارِ شوخ و ستم گر — تو اس قدر ہے کیون فتنہ سامان
خونریز تیری ہر پنکھڑی ہے — قاتل ہین تیرے جیب و گریبان
خونِ عنادل کی سرخیون سی — رنگین ہین تیرے اوراقِ دیوان
تو ہے سراپا وہ جامِ رنگین — حاصل ہے جس سے اک کیف پنہان
ہے حسن کا رس تیری رگون مین — یا موجِ مے ہے بیتاب و لرزان
ہے تیرے لب پر موجِ تبسم — یا برگِ گل پر ہے برقِ رقصان
رگ رگ مین تیری نس نس مین تیری — صہباے رنگین کا کیفِ پنہان
تنہا نہ بلبل تیری ثنا گر — شاعر بھی تجھ پر مست و غزل خوان
بالیدہ تجھ سے حسنِ تخیل — بیدار تجھ سے احساس و وجدان

تو ہی جمالِ شعر و ادب ہے　　تیرے ہی دم سے رنگین ہین دیوان

نکہت سے تیری بے خود ہوا ہین
آتی ہے تجھ سے خوشبوے جانان

غنچہ

اے غنچۂ گل تیری ادائین　　کیون کر نہ میرے دل کو لبھائین
جانِ سخن ہے تیری خموشی　　رازِ چمن ہین تیری صدائین
اسرارِ فطرت کی ترجمان ہین　　یہ نرم و نازک تیری نوائین
اے غنچۂ گل تیرے ہی دم سے　　پائین چمن نے رنگین قبائین
ہر صبح موجین بادِ صبا کی　　لیتی ہین بڑھ کر تیری بلائین
راتون کو ماہ و پروین و انجم　　شبنم کے موتی تجھ پر لٹائین
یہ ڈالیان ہین گہوارہ تیری　　یہ پتیان ہین تیری ردائین
شبنم پلاتی ہے دودھ تجھ کو　　اس طرح جیسے بچون کو مائین
تو مست ہو جب خوابِ سحر مین　　سورج کی کرنین آ کر جگائین
بادِ بہاری کے نرم جھونکے　　رنگین ترانے تجھ کو سنائین
سرشار ہو کر چومین ترا رُخ　　چپکے سے آ کر پھر گدگدائین
تتلیان بھی سب تیری ہنسی مین　　کچھ اس ادا سے تجھ کو ہنسائین

تو اک ذرا سا گر مسکرائے — نسرین و سوسن سب مسکرائین
تیرے تبسم کے یہ نظارے — شاعر کے دل پہ بجلی گرائین
آتی ہے تجھ سے خوشبو بلا کی — آ تجھ سے اپنا دامن بسائین
موجون سے تیری عنبر فشان ہین — صحن چمن کی ساری فضائین
پی کر تری ہی کیف آفرین مے — پھرتی ہین مست و بیخود ہوائین
گلشن مین تیری شمعین ہین روشن — پھیلی ہین ہر سو تیری ضیائین
تیرے یہ دلکش رنگین کرشمے — ہین حسن فطرت کی سب ادائین
تو صبحدم جب مست نوا ہو — جھومین نہ کیون کر دل کی فضائین
تو ہے وہ فطرت کا ساز رنگین — پردہ مین جس کے پنہان نوائین
تو ہے صحیفہ حسن ازل کا — تجھ کو عنادل کیونکر نہ گائین
تو اک کلی ہے یا عطر دان ہے — ہین مست جس سے ساری فضائین
مٹھی مین تیرے ہے کیسۂ زر — موجین صبا کی آ کر لٹائین
ہر پنکھڑی ہے دست حنائی — یا تو بہ تو ہین رنگین ردائین
ہم تجھ کو سمجھین سیپارۂ دل — یا جام رنگین تجھ کو بتائین

کھلتی نہین ہے تیری حقیقت
تیرے ہی لب پہ پردہ اٹھائین

برسات

کالی کالی گھٹائین چھائین ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائین آئین
برق فضا مین ہر سو رقصان محوِ ترادشِ ابرِ باران
دیکھیے کوئی فلک کا عالم نالہ و آہ و گریۂ پیہم
روتا ہے یہ کس کے غم مین یہ تو ہے مشہور ستم مین
خوش اُس کے رونے سے زمین ہے رنگینی مین خلدِ برین ہے
جوشِ طرب مین اُس نے آکر اگلے لعل و زمرد و گوہر
دشت و جبل گلزار ہوئے ہین گُل سے نازک خار ہوئے ہین
دیدنی ہے کہسار کا دامن صدقے اس پہ بہارِ گلشن
دیکھو گھٹا وہ جھومتی آئی اور فضا مین ہر سو چھائی
یہ جو نظر آتا ہے بادل پل مین ابھی کر دے گا جل تھل
آؤ پیاری پیاری بوندو اے فطرت کی سنواری بوندو
گودین تم نیسان کے پلی ہو موتی کے سانچے مین ڈھلی ہو
راہ تمھاری تکتے ہین سبزے تم بن سوکھ رہے ہین پودے
تم ہو آبِ حیات کی بوندین کیون کہیے برسات کی بوندین
ہان دیکھو وہ بوندین آئین آبِ بقا کا تحفہ لائین

خوابیدہ سبزوں کو جگایا — افتادہ پودوں کو اٹھایا
پژمردہ غنچوں کو کھلایا — کھلائے پھولوں کو ہنسایا
کیا کیا شاہدِ گل کو سنوارا — کیا کیا سنبلِ تر کو نکھارا
سب کو جمالِ تازہ بخشا — حسن کے رخ کو غازہ بخشا
اُف یہ کیف و طرب کا عالم — اُف یہ جنون انگیزی موسم
دیکھو جسے سرشار ہوا ہے — بیخود ہر ہشیار ہوا ہے
چھائی ہوئی مستی ہے فضا میں — موج ہے اٹھتی ہے ہوا میں
یہ رنگینی یہ رعنائی — شاہدِ فطرت کی زیبائی
یہ حسنِ فطرت کے مظاہر — یہ رنگین و حسین مناظر

جس موسم کے ہیں یہ کرشمے
اس کو ہم برسات ہیں کہتے

بہارِ برشگال

اللہ رے کمالِ دل نشینی — فطرت کی بہار آفرینی
ہر سمت وہ رنگ و بو کا عالم — بالیدگی و نمو کا عالم
یہ جوشِ بہارِ سبزۂ تر — ہے بر یہ گمانِ بحرِ اخضر
دیکھے کوئی اس بہار کا جوش — ہے بزمِ جہان تمام گل پوش

سبزہ وہ ہے ڈھکا ہوا ہے صحرا
فردوس نظر بنا ہے صحرا

اک مخمل رنگ و بو ہے جنگل
ہر سمت بچھی ہے سبز مخمل

میدان پہ چھا رہا ہے سبزہ
بانات بچھا رہا ہے سبزہ

ہاں یہ نہیں سبزہ ہائے نورس
اوڑھے ہے زمین ردائے اطلس

خوشبوئیاں پوچھئے نہ بن کی
قربان ہیں وادیاں ختن کی

ہے سطح زمین کا اب یہ عالم
گویا ہے زمردین مجسم

فطرت کی ہے خوب یہ ادا بھی
زنگار ہے عکس سے فضا بھی

پھولوں سے بھرا ہوا چمن ہے
آراستہ یا کوئی دولھن ہے

ہر نخل ہے اک نگار رنگین
چھائی ہوئی ہے بہار رنگین

ہے خاک پہ اب گمان جنت
اللہ رے جمال بزم فطرت

اُف کیف و طرب کا یہ زمانہ
ہر لب پہ ہے شوق کا ترانہ

ساقی کی ہیں اس میں سب ادائیں
سرشار ہیں کس قدر گھٹائیں

میخانے کو لے کے سر پہ آئیں
اور چرخ پہ کیف بن کے چھائیں

پھر خاک پہ خم کے خم لنڈھائے
سیل مئے آتشیں بہائے

لب تر کئے تشنگی بجھائی
گیتی نے حیات تازہ پائی

پی کر یہ شراب ارغوانی
دنیا ہوئی سرخوش جوانی

اک میکدہ ہے فضا میں برپا
اُٹھتی ہے ہوا میں موج صہبا

موسم ہے کمالِ بیخودی کا — سرشاریٔ کیفِ سرمدی کا

یہ تیرے جنون نواز لمحات — برسات اے جان نواز برسات

تو روح ہے بزمِ آب و گل کی — ہے جانِ جہانِ مضمحل کی

سرسبز ہے کائنات تجھ سے — یہ گل کدۂ حیات تجھ سے

تو کیا ہے نویدِ زندگانی — ہے آبِ حیات تیرا پانی

جی اٹھتی ہے تجھ سے خاکِ مردہ — جاگ اٹھتا ہے سبزۂ فسردہ

ہر شے مین ہے آب و رنگ تجھ سے — مٹی بھی ہے شوخ و شنگ تجھ سے

بجنے لگا کائنات کا ساز
پھونکی تونے جو روحِ اعجاز

گھٹا

وہ دیکھو کہ وہ بردوشِ پورب سے گھٹا اٹھی — جلو مین اپنے لے کر چشمۂ آبِ بقا اٹھی

مثالِ ساقیِ میخانہ مستِ بادۂ رنگین — سراپا بیخود و سرشار و مستانہ ادا اٹھی

خمارِ حسن مین کھولے ہوئے گیسوئے مشکین کو — ردائے قیرگون اوڑھے ہوئے سرتا بہ پا اٹھی

خیابان کے لئے بن کر پیامِ رنگ و بو آئی — بیابان کے لئے لے کر نویدِ جانفزا اٹھی

حیاتِ تازہ دوڑی آب و گل کے ذرہ ذرہ مین — نشہ مین جھوم کر دنیا کی خوابیدہ فضا اٹھی

ہوئین امرت کی بوندین کارفرما سبزہ و گل مین — جہانِ خشک کی پامال کھیتی لہلہا اٹھی

بسائے دامنوں کو عطر و عنبر میں نسیم آئی ‏ نشاط و کیف میں ڈوبی ہوئی موجِ صبا اٹھی
دکھایا اس قدر ابرِ کرم نے جوشِ تر دستی ‏ کہ آبِ رنگ کی دنیا موجِ کوثر میں نہا اٹھی

چراغِ لالہ و گل ہر طرف روشن ہوئے ایسے
کہ بزمِ عالمِ امکان سراپا جگمگا اٹھی

ساحلِ گنگا کے تاثرات

روانی پر تری اے رودِ گنگا جانِ دل قرباں ‏ تری موجوں میں ہے عہدِ کہن کی داستاں پنہاں
نمایاں ہے ترے آئینہ میں تصویر ماضی کی ‏ ترے چینِ جبیں میں نقش ہے تقدیر ماضی کی
تمنا ہے ترے جلووں کی پہنائی میں کھو جاؤں ‏ تری ان مضطرب موجوں سے ہم آغوش ہو جاؤں
کسی صورت سے اب قابو نہیں ہے شورشِ دل پر ‏ کہوں کیونکر جو کچھ دیکھا ہے میں نے تیرے ساحل پر
کمی اب تک نہیں ہے اشکِ رنگیں کی روانی میں ‏ جھلک کس کی نظر آتی ہے مجھ کو تیرے پانی میں
ابھی تک نقش ہے دل پر تری موجوں کی بیتابی ‏ وہ اندازِ تلاطم وہ ادائے رقصِ سیمابی
دمِ صبح اللہ اللہ وہ شعاعِ مہر کا عالم ‏ وہ کوسوں تک مسلسل ارتعاشِ لرزشِ پیہم
تری یہ مضطرب موجیں ہیں یا کرنوں کا گہوارہ ‏ ترے یہ مرتعش جلوے ہیں یا فردوسِ نظارہ

جدھر دیکھو ہے اک طوفانِ رنگینی و رعنائی
ہے کیف اندوز تا حدِ نظر چشمِ تماشائی

ساونی

بے نور تیرے سامنے ہین چاندنی کے پھول
تیری بھی کیا بہار ہے اے ساونی کے پھول

شوخی تری ہے باغ کے پھولون مین انتخاب
رنگت کو دیکھ کر تری شرمندہ ہے گلاب

سرسبز ڈالیون مین یہ اللہ رے جوشِ رنگ
فرطِ شگفتگی سے ہے ہر شاخ شوخ و شنگ

ہے دوشِ نخل بارِ گلِ تر لئے ہوئے
ہر دستِ شاخ ساغرِ احمر لئے ہوئے

گلرنگ بھی ہے سُرخ بھی ہے تو سپید بھی
کچھ تو ہے اس مین فطرتِ رنگین کا بھید بھی

ہے اختلافِ رنگ ترے حسن کا کمال
جانِ بہار ہے تری نیرنگیٔ جمال

سر پہ ہر ایک شاخ کے پھولوں کا یہ ہجوم
نظارہ فرطِ کیف سے جاتا ہے جھوم جھوم

گرنا ترا زمین پہ وہ حسنِ ادا کے ساتھ
اڑنا وہ دور تک کبھی موجِ ہوا کے ساتھ

تیرے لطیف پھول صبا کا یہ اہتزاز
ہے کس قدر یہ منظرِ رنگین جنون نواز

تیری یہ سرخوشی ہے بتا کس کے جام کی
نسبت عطا ہوئی ہے تجھے کس کے نام کی

ساون کے جوشِ حُسن کی شاہد ہے تو مگر
اس موسمِ بہار کی قاصد ہے تو مگر

نمودِ صبح

ہونے لگا چاک پردۂ شب — جھڑنے لگے آسمان سے کوکب
جلوے ہین وہ اب نہ وہ تبسم — بے نور ہوئے چراغِ انجم
روشن تھے فلک پہ جو ستارے — اب بزمِ عدم کو سب سدھارے
پروین ہے نہ اب شہابِ ثاقب — برہم ہوئی محفلِ کواکب
چلنے لگی بادِ صبح گاہی — چھٹنے لگی رات کی سیاہی
رخصت ہوئی ظلمتِ شبِ تار — عالم ہوا ہم کنارِ انوار
ظاہر جو ہوا سپیدۂ صبح — یعنی وہ فروغِ دیدۂ صبح
ظلمت ہوئی رفتہ رفتہ کافور — گیتی ہوئی غرقِ موجۂ نور
آثارِ سحر ہوئے ہویدا — ہر سمت تجلیان ہین پیدا
اللہ رے فروغِ صبحِ روشن — قربان ہے جلوہ گاہِ ایمن
دیکھے کوئی روئے صبحِ خندان — ہے رقص مین موجِ آبِ حیوان
خندان ہے رُخِ نہالِ فطرت — بے پردہ ہے اب جمالِ فطرت
آفاق پہ چھا گئی صباحت — ہر شے پہ ہے غازۂ ملاحت
اس شان سے صبحِ تازہ آئی — بہرِ رُخِ لیل غازہ لائی

بھیگی جو یہ صبح کی فضا ہے — اوڑھے ہوئے شبنمی ردا ہے
رقصاں ہے لبوں پہ موجِ تسنیم — ڈالے ہوئے رخ پہ چادرِ سیم
ہر موج ہوا شمیم در بر — ہر سانس نسیم روح پرور
ہر شے پہ ہے ایک کیف طاری — ہر سمت ہے جوئے شیر جاری
پانے لگے سب غذائے روحی — ڈھلنے لگی بادۂ صبوحی
دی مرغِ سحر نے بانگ پیہم — بیدار ہوا بسیطِ عالم
چڑیاں لگیں مل کے چہچہانے — گانے لگیں حمد کے ترانے
تھا خالقِ پاک کا ثنا گر — ہر برگِ شجر زبان بن کر
اس کیف سے تھا نہ کوئی خالی — رقصاں تھی خوشی میں ڈالی ڈالی
گونجے ترے دم سے دیر و مسجد — اللہ رے تیری آمد آمد
ہر سمت ہوئیں بلند اذانیں — ہونے لگیں بے قرار جانیں
دوڑی رگ و پے میں برقِ تاثیر — گونجا جو فضا میں شورِ تکبیر
مسجد کی طرف چلے نمازی — دل میں لئے ذوقِ پاکبازی
یعنی ہوئے بندگانِ مقبول — اورادِ سحر گہی میں مشغول
دیکھو جسے اب وہ سبحہ خواں ہے — تسبیح و ثنا میں تر زباں ہے
وا ہے یہ بیاضِ صبحِ خنداں — یا باز ہے اک کتابِ عرفاں
ہر برگ ہے دفترِ معارف — ہر سو ہے کھلا درِ معارف

وقتِ فیضِ سحر گئی ہے ، — غافل! ہنگام آگہی ہے
فطرت کی ہے عین کارسازی — یہ صبح کا فیضِ جان نوازی
ہین لائقِ صد ہزار عبرت — اب بھی ہین جو محوِ خوابِ غفلت
ہے حیف ہزار بار اس پر — بستر سے اٹھے نہ اب بھی جو ہر
اٹھ کر نہ ادا کرے دوگانہ — غافل نہ ہو سر بر آستانہ
خالق سے کرے نہ التجائین — مانگے نہ جو صبح کی دعائین
ہو وردِ زبان نہ یا الٰہی — لب پر نہ ہو آہِ صبح گاہی

اس کو نہین رازِ زیست معلوم
ہے ذوقِ حیات سے وہ محروم

شبنم

بچو میری بات کو مانو — مین جو کہتا ہون سچ جانو
صبح کو گر میدان مین جاؤ — ننھے ننھے موتی پاؤ
دشت مین ہر سو بکھرے پڑے ہین — پتے پتے پہ یہ جڑے ہین
شاخون پہ ہین خارون پہ ہین — پھولون کے رخسارون پہ ہین
[illegible] — بھر گئے ہین سبزون کے دامن
دنیا جب ہے چین سے سوتی — شب مین برستے ہین یہ موتی

جب تک ہو نہ اندھیرا رخصت — لُٹتی رہتی ہے یہ دولت
جاگو بچو لطف سحر لو — اپنے اپنے دامن بھر لو
خوابِ گراں ہو کتنا گھیرے — اُٹھنا چاہیے صبح سویرے
اُٹھ کر شہر سے باہر چلنا — میدانوں میں جا کے ٹہلنا

دھوپ ہے اس دولت کی دشمن
سورج کی کرنیں ہیں رہزن



قومی اور سیاسی نظمیں

بیادِ شہیدانِ وطن

غلامی سے کبھی آزاد جب ہندوستان ہوگا — جبینِ شوق ہوگی اور جنون کا آستان ہوگا
کنارِ آبِ ستلج سجدہ گاہِ عاشقان ہوگا — یہان کا ذرہ ذرہ سرمۂ چشمِ جہان ہوگا
یہان کا قطرہ قطرہ بڑھ کے بحرِ بیکران ہوگا

یہ وادی سرفروشانِ وطن کی رہنمون ہوگی — یہان آکر دلِ بیتاب کی شورش فزون ہوگی
یہان کی خاکِ خونین مرہمِ زخمِ درون ہوگی — یہان کی موجِ رنگین چارۂ جوشِ جنون ہوگی
ہر اک تنکا یہان کا ساز و برگِ آشیان ہوگا

یہ مانا اب نہین ہین لاشہ ہاے خونچکان باقی — نہ رکھا آتشِ سوزان نے کچھ نام و نشان باقی
مگر یادِ شہیدانِ وطن ہے جاودان باقی — زبانِ خون پر رہے گی حشر تک یہ داستان باقی
بھلا یہ فدیۂ خونِ شہادت رائگان ہوگا

ستمگر سہل ہے زندان نشینون کو جلا دینا — کسی کی مشتِ خاکستر کو دریا مین بہا دینا
وطن خواہون کو جرمِ حق پرستی کی سزا دینا — مگر ممکن نہین ظالم لگی دل کی بجھا دینا
یہ شعلہ اور گلگیرِ ستم سے ضوفشان ہوگا

ابھی اس راکھ مین ہین سیکڑون چنگاریان پنہان — ابھی ہر موج مین ہر موجۂ برق طپان پنہان
اسی خونین ورق مین فتح کی ہے داستان پنہان — اسی برقِ ستم مین ہے فروغِ آشیان پنہان

انھین شعلون سے روشن ایک دن ہندستان ہوگا

انھین خاموش ذرّون سے تپشِ دل کی بجھائین گے
اسی خاکسترِ افسردہ سے محشر جگائین گے
یہ ذرّے بزمِ ملت کو چراغان کر دکھائین گے
یہ ذرّے نیّرِ اقبال بن کر جگمگائین گے

سپہرِ اوجِ ملت یہ غبارِ ناتوان ہوگا

یہی ذرّے بنین گے شمسۂ ایوانِ آزادی
یہی موجین اٹھائین گی کبھی طوفانِ آزادی
ہوئے ہین جس جگہ اہلِ جنون قربانِ آزادی
اسی مشہد سے ہوگا ہند مین اعلانِ آزادی

جہان مین مرتبہ خونِ شہیدان کا عیان ہوگا
(مئی سنہ ۳۱ء)

قومی پرچم

مجاہدینِ قوم ہان!
جھکے نہ قوم کا نشان
جو تم ہو ہند کے جوان
نثار کر دو نقد جان

اٹھو مجاہدو اٹھو
بڑھے چلو بڑھے چلو

یہ وہ نشانِ قوم ہے
جو پاسبانِ قوم ہے
اسی سے شانِ قوم ہے
حیات جانِ قوم ہے

اٹھو مجاہدو اٹھو
بڑھے چلو بڑھے چلو

تمھاری یہ جوانیاں یہ خون کی روانیاں
ہین فتح کی نشانیاں ہین صاف کامرانیاں
اٹھو مجاہدو اٹھو
بڑھے چلو بڑھے چلو
کھڑی ہے سامنے ظفر قدم ہوں اور تیز تو
رہے یونہی جو رہ سپر تو ہو گی یہ مہم بھی سر
اٹھو مجاہدو اٹھو
بڑھے چلو بڑھے چلو (ستمبر ۲۷ء)

ترانۂ وطن

تجھ پہ صدقے اے وطن عالم تمام کس قدر پیاری ہین تیری صبح و شام
تیرے پھولون سے معطر ہے مشام خوشنما ہے تیرے دریا کا خرام
اے وطن تجھ کو ہزارون آفرین
خوبصورت ہین تری آبادیان سبزۂ و گل سے ڈھکی ہین وادیان
اب کہان صیاد کی صیادیان باغ مین ہین ہر طرف آزادیان
اے وطن تجھ کو ہزارون آفرین
لالۂ و گل سے چمن رنگین ترے پھول خوشبودار پھل شیرین ترے

وہ چمکتے انجم پروین ترے وہ اُبلتے چشمۂ سیمیں ترے

اے وطن تجھکو ہزاروں آفریں

صبح تیری روشن و خندہ جبین شام تیری رشکِ زلفِ عنبرین

چاندنی راتین زسرتاپا حسین شاعرون کے واسطے وجد آفرین

اے وطن تجھکو ہزارون آفرین

کیف آور تیرے سبزون کی لہک روح پرور تیرے پھولون کی مہک

اُف ترے شفاف سوتوں کی جھلک کس کو ہوگا تیری رعنائی میں شک

اے وطن تجھکو ہزارون آفرین

اُف رے کھیتون کی ترے ہریالیان ہین بھری دانون سے جس کی بالیان

مست ہوکر گارہی ہین نالیان بیخودی مین جھومتی ہین ڈالیان

اے وطن تجھکو ہزارون آفرین

یہ ترے دریا یہ تیرے آبجو دودھ کی نہرین روان ہین چارسو

دیکھ کس کس طرح سے نشو ونمو پالتا ہے اپنے فرزندون کو تو

اے وطن تجھکو ہزارون آفرین

(اکتوبر ۳۰ء)

وطن
کے
نوجوانون سے خطاب

جوانو! از سرِ نو بر سرِ پیکار ہو جاؤ — جہادِ سرفروشی کے لئے تیار ہو جاؤ
اگر ہے زندگی کی آرزو اس دارِ فانی مین — تو سب سے پہلے مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ
تمھاری کوششین دیکھو تو کیا کیا رنگ لاتی ہین — ذرا ہمت سے سرگرمِ عمل اک بار ہو جاؤ
غلام آباد مین اس طرح کے جینے سے کیا حاصل — جو غیرت ہو تو اس جینے سے اب بیزار ہو جاؤ
چلین گر گولیان بھی عرصۂ پیکار مین تم پر — تو سینہ تان کر اک آہنیں دیوار ہو جاؤ
بڑھو ہاتھون مین لیکر جنگِ آزادی کے پرچم کو
جوانانِ وطن کے قافلہ سالار ہو جاؤ — (جولائی ۳۵ء)

مقدم دورِ نو

عروسِ ملک مژدہ! پھر ترا عہدِ شباب آیا — مبارک خاکِ پاکِ ہند دورِ انقلاب آیا
وہی ساقی وہی صہبا وہی ساغر وہی مینا — اسی انداز سے گردش مین پھر جامِ شراب آیا
خمستانِ کہن کی موجِ مے مین پھر وہ شورش ہے — کہ محفل سے ہر اک صاحب نظر مست و خراب آیا
فضائے ہند ہے پر شورِ آزادی کے نغمون سے — کہ مطرب مے کے پھر اس بزم مین چنگ و رباب آیا

یہ آواز آرہی ہے خاکِ گلگونِ پشاور سے | شہیدانِ وطن کے خون کا یوم الحساب آیا
نہ پوچھو مشہدِ ستلج کے خاکستر کی اب عظمت | کہ اک اک ذرہ اس کا رشکِ صد آفتاب آیا
نکل آ جلد اے مہرِ سعادت بطنِ گیتی سے
کہ اب اس دورِ ظلمت کا لبِ بام آفتاب آیا (فروری ۳۶ء)

طلوعِ صبحِ نو

(یہ نظم یو پی پولیٹیکل کانفرنس مئو کے موقع پر لکھی گئی)

مٹا دو دوستو اب دل سے یادِ دورِ بربادی | کہ پھر ہونے کو ہے اجڑے وطن کی خانہ آبادی
وہی زندانیِ غم تھے جو کل تک جیل کے عادی | منانے جا رہے ہین اب وطن مین جشنِ آزادی
کہان ہین وہ مجاہد سرفروشانِ وطن آئین
کہان ہین ۴۲ء کے جوانانِ وطن آئین
خود اپنے خونِ مظلومی کا فیضانِ نمو دیکھین | گلستانِ وطن مین آج جوشِ رنگ و بو دیکھین
طلوعِ صبحِ آزادی کے جلوے چار سو دیکھین | کہان ہین آج اربابِ نظر آ کر مئو دیکھین
وطن مین دورِ نو کی یہ وہ پہلی بزمِ رنگین ہے
کہ جس کے گوشہ گوشہ سے نمایان شانِ تمکین ہے
مبدل صبحِ عشرت سے ہوئی ظلمت کی شامِ آخر | وہ چمکا سمتِ مشرق نیرِ گردون خرامِ آخر
ہوئے زندانیانِ کنجِ غم پھر شادکام آخر | انھین ہاتھون مین آئی پھر حکومت کی زمامِ آخر

ابھی معمور تھا کل قلعۂ احمد نگر جن سے
فروزاں تھے ابھی زنداں کے کل دیوار و در جن سے

وہی جن پر ابھی کل تک رہی مشقِ ستم رانی — وہ دیوانے وطن کے جو ابھی کل تک تھے زندانی
جہادِ حریت میں ہر قدم تھا جن کا طوفانی — نوائے حق سے جن کی کانپتا تھا قصرِ برطانی

انھیں کے دستِ ہمت میں وطن کی حکمرانی ہے
انھیں کو اب ودیعت ایشیا کی پاسبانی ہے

مبارک اتحادِ ایشیا کی محفل آرائی — مبارک جشنِ[1] مشرق کی وطن میں جلوہ فرمائی
مبارک کشورِ ہندوستاں کی جادہ پیمائی — پیامِ ربط و اخلاص و محبت کی پذیرائی

نشیدِ نو سے سرخوش آج آزاد و جواہر ہیں
کہ مشرق میں حیاتِ تازہ کے آثار ظاہر ہیں (اپریل ۱۹۴۷ء)

صبحِ آزادی کا طلوع

(بہ تقریب جشن ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء)

اک نیرِ نو سینۂ مشرق نے اچھالا — ہے جس کی شعاعوں سے ہر اک سمت اُجالا
ہیں اک سحرِ تازہ کے آثار ہویدا — ہونے کو ہے اب ظلمتِ گیتی کا ازالہ
پڑنے کو ہے جمہوریتِ ہند کی بنیاد — ایوانِ حکومت کی بنا ہے تہ و بالا

---

[1] ایشیا کانفرنس منعقدہ دہلی۔

انگریز کی قسمت میں ہے اب ہند سے جانا — افرنگ کو ہے دیکھنا اب دیس نکالا
لہرائے گا آزادی کشور کا پھریرا — اب ساحلِ مدراس سے تا کوہ ہمالہ
جو خاک تھی کل تک بھی پامالِ غلامی — رفعت میں وہی آج ہے گردوں سے بھی بالا
مدت سے جو افسردہ و غمگین و حزین تھا — ہے رنگ ہی اب اُس رُخِ گیتی کا نرالا
صدیوں کی غلامی کی شبِ تار ہے رخصت — مشرق کے شبستانوں میں چھایا ہے اُجالا
ہے مہرِ جہاں تاب کی اب مدِ مقابل — جو شمعِ سحر تک ابھی لیتی تھی سنبھالا
ظلمت کدۂ ہند میں کیوں ہو نہ چراغاں — مہر جب افق سے مہِ تاباں نے نکالا
معمور ہے ہر گوشۂ دامانِ وطن آج — کرتا ہے نثار اوجِ فلک لولوے لالا
اللہ رے یہ طالعِ مشرق کی بلندی — حیرت میں ہے مغرب کا بھی اب عالمِ بالا

آسان نہ تھا جس بارِ امانت کا تحمل
صد شکر وطن نے ہے اُسے آج سنبھالا

عیدِ انقلاب

(بہ تقریبِ جشنِ آزادی)

شبستانِ وطن میں پھر تجلی کی نوید آئی — بحمد اللہ شعاعِ آفتابِ نو دمید آئی
صبا نے دی صلائے تہنیت پھر غنچہ و گل کو — نسیمِ صبح گاہی لیکے پیغامِ نشید آئی
مبارک ہو نئے ہندوستانِ عہدِ حاضر کو — بڑی رعنائیوں کے ساتھ پہلی صبحِ عید آئی

وطن تھا منتظر صدیون سی جس فرخندہ ساعت کا
وطن کو ہو مبارک آج وہ جانِ امید آئی

پھریرا اڑ رہا ہے ہر طرف قومی حکومت کا
وہ تاریخ عزیز آئی وہ تقریب سعید آئی

پنھائی جاتی تھی زندان مین کل تک ہتکڑی جنکو
انھین ہاتھون مین ایوانِ حکومت کی کلید آئی

وطن کے میکدون مین کیون نہ ہو اب ہاؤ ہو برپا
کہ ہر اک رند کو پھر کیف و مستی کی نوید آئی

جسے دیکھو نئے انداز سے ہے اب گلے ملتا
کہ عید آئی وطن مین اور بہ عنوانِ جدید آئی

(اگست ۱۹۴۷ء)

ہمارا قومی نشان

(بہ تقریب جشن یوم آزادی)

رُخ مادرِ وطن کا جس نے ہے پھر سنوارا
مشرق کو جس نے بخشا ہے اوج پھر دوبارا

ہر نقش زندگی کو جس نے ہے پھر ابھارا
ہر سو بہا دیا ہے جس نے خوشی کا دھارا

اے دوستو یہی ہے وہ پرچمِ دل آرا
قومی نشان ہمارا قومی نشان ہمارا

"سایہ مین ہم اُسی کے پل کر جوان ہوئے ہین"
ملت کی سربلندی کے رازدان ہوئے ہین

صدیون کے بعد مشرق مین کامران ہوئے ہین
اُجڑے ہوئے وطن مین پھر حکمران ہوئے ہین

ہو جان و دل سے بڑھ کر کیونکر نہ ہم کو پیارا
قومی نشان ہمارا، قومی نشان ہمارا

فیروزی و ظفر کا آئینہ دار ہے یہ — اقبال و فتح و نصرت کی یادگار ہے یہ
سر تا قدم وطن کا نقشِ وقار ہے یہ — گلزارِ حریت کا سروِ بہار ہے یہ
ہر بزم و انجمن مین ہو کیون نہ جلوہ آرا
قومی نشان ہمارا قومی نشان ہمارا

سب پرچمون سے اونچا ہی جس طرح ہمالا — ہے یونہی اپنا پرچم سب پرچمون پہ بالا
بے کشت و خون اسی نے دشمن کو ہی نکالا — دیکھے تو کوئی آکر اب اُس کی شانِ والا
رفعت مین بن گیا ہے اوجِ فلک کا تارا
قومی نشان ہمارا قومی نشان ہمارا

عہدِ کہن کا اک اک نقش اب مٹا رہا ہی — ملت کو دورِ نو کا مژدہ سنا رہا ہے
سب کے دلون پر اپنا سکہ بٹھا رہا ہی — قدمون پر آج اپنے سب کو جھکا رہا ہے
لہرا رہا ہے دیکھو خود آج دہر سارا
قومی نشان ہمارا قومی نشان ہمارا

دنیا کے اور جھنڈے ہین جنگ کی نشانی — اور اپنا یہ ترنگا ہے صلح کی کہانی
ہے خط سبز اس کا تمہیدِ نوجوانی — اور رنگِ زعفرانی پیغامِ شادمانی
صبحِ طرب سفیدی سے اس کی آشکارا
قومی نشان ہمارا قومی نشان ہمارا

متفرق قومی نظمیں

آفریں خان عبد الغفار خان

بن گیا ضیفِ گرامی[1] کے لئے سینہ سپر
آفریں تجھ کو ہے اے صوبۂ سرحد کے پٹھان

میزبانی بھی اسی شان کی ہونی تھی ضرور
جلوہ افروز تھا جس شان کا تیرا مہمان

چپہ چپہ پہ مگر آج وزیرستان کے
گڑ گیا ہے تری نصرت کی بلندی کا نشان

اسوۂ خیر قرون ہو گیا تازہ تجھ سے
مرحبا خاکِ پشاور کے مجاہد انسان

زخم کھا کر بھی قبائل پہ اٹھائے نہیں ہاتھ
کہ یہ زنہار نہیں مومنِ جانباز کی شان

انگلیاں تیری فگار اور سرِ مجروح ترا
کر رہے ہیں ترے طغرائے شرف کا اعلان

اپنے ہاتھوں ہی مٹاتے ہیں جو خود دین کا شعار
آلۂ کار ہیں غیروں کے مگر وہ نادان

درسِ دشنام کا دیتا نہیں تیرا اسلام
خوئے بیکار سکھاتا نہیں تیرا ایمان

تھا زمانہ میں تو مشہور شجاعت کا دھنی
ہو گئی تیری فراست بھی مسلّم اے خان

تیری اس رفعتِ کردار سے حق تو یہ ہے
بڑھ گئی اور بھی دنیا میں تری عظمت و شان

کر دیا تو نے بلند آج سرِ خاکِ وطن
کیوں نہ لے نام عقیدت سے ترا ہندوستان

(اکتوبر سنہ ۴۶ء)

---

[1] اس نظم میں پنڈت جواہر لال نہرو کے دورۂ سرحد کے موقع پر محترم پنڈت جی اور اُن کے میزبان خان عبد الغفار خان کے ساتھ جو ناگوار واقعہ پیش آیا اسی کی طرف اشارہ ہے،

آہ! بریگیڈیر عثمان

ہوگا نہ رائگاں کبھی عثمان! تیرا خون
صدیوں رہے گی وادیِ کشمیر لالہ زار

کس شان سے وطن کے لئے دی ہے تو نے جان
اے سرفروشِ مشہدِ ملت ترے نثار

ہوتا ہے یہ فروغِ شہادت کسے نصیب
ہے رشکِ صد حیات تری مرگ شاندار

سچ پوچھئے تو اب بھی ہے پرشور و حشر خیز
تیری نوائے رزم سے میدانِ کارزار

ہر ہر قدم پہ اُف رے تری ترکتازیاں
ہے چپہ چپہ تیری شجاعت کی یادگار

تڑپے نہ تیرے ہجر میں کیوں وادیِ جہاد
دھڑکے نہ تیری یاد سے کیوں قلبِ کوہسار

آئی ہے تیری لاش کہ میدانِ رزم سے
لوٹا ہے تو مظفر و منصور و کامگار

جاتا ہے کس محاذ پہ اب رُخ کدھر کا ہے
ملت کے دوش پر ہے جو اس شان سے سوار

فدیہ نے تیرے حق تو یہ ہے اے شہیدِ قوم
چمکا دیا ہے ملتِ بیضا کا اعتبار

مر دیکے سربلند کیا تو نے اس کو آج
خاکِ وطن نہ کیوں ترے قدموں پہ ہو نثار

ہر دل پہ نقش ہے تری عظمت کی داستاں
مٹی میں مل کے سر بفلک ہے ترا وقار

تاریخ تجھ کو بھول سکے گی نہ تا ابد
اے سرزمینِ ہند کے فرزندِ نامدار

آئیں گے تیری خاک پہ ملت کے سرفروش
ہوگا نشانِ راہِ صداقت ترا مزار

لے گا دیارِ ہند عقیدت سے تیرا نام
تیری وفا رہے گی زمانہ میں یادگار

ملت کو تو نے مر کے مگر زندہ کر دیا
نامِ وطن کو دہر میں تابندہ کر دیا

(جولائی ۱۹۴۸ء)

خوابِ آزادی

اور

اس کی تعبیر

الٰہی آج یہ کیسا ہے دورِ آزادی | کہ ذرہ ذرہ ہے اس عہدِ نو کا فریادی
کہین شرافت و اخلاق کی ہے پامالی | کہین ثقافت و تہذیب کی ہے بربادی
روا ہے آج ہر اک طرح کی بداطواری | کہ دورِ نو مین ہر اک جرم کی ہے آزادی
ہر ایک گوشہ ہے حیوانیت کا گہوارہ | اُجڑ چکی ہے جو انسانیت کی آبادی
بگڑ گیا ہے کچھ ایسا مزاجِ ملت و قوم | کہ ہو گیا ہے ہر اک فرد جرم کا عادی
ہماری پستی و دونِ فطرتی کی حد یہ ہے | کہ ہم نے اوج و ترقی کی ہر بنا ڈھا دی

یہی ہے دوستو! کیا آج اُس کی تعبیرین
کبھی وطن نے جو دیکھا تھا خوابِ آزادی

(جون ۵۰ء)

شمعِ تمدن کی آخری ضو

جو ملک مین کل تک تھے نگہبانِ تمدن | ڈھاتے ہین وہی آج خود ایوانِ تمدن
کلچر کی حفاظت کا تھا دعویٰ جنھین کل تک | صد حیف مٹاتے ہین وہی شانِ تمدن
برباد ہے صدیون کی متاعِ ہنر و علم | پامال ہے ہر سو سر و سامانِ تمدن
تہذیب ہی رخصت تو ثقافت ہے روانہ | ہون مرثیہ خوان کیون نہ پھر اعیانِ تمدن

ہے طرفہ ستم یہ کہ ہے مبغوض وہی شے
فی الواقعہ جو ملک میں ہے جانِ تمدن

ہے سب سے زیادہ ہدفِ شیوۂ بیداد
اُردو کہ ہے سرچشمۂ فیضانِ تمدن

آنکھیں ہوں تو دیکھو کہ ہے منقوش ابھی تک
اس ملک کے ہر ذرہ پر احسانِ تمدن

ہنگامے ہیں جس شے کے مٹانے کے لئے آج
سچ پوچھئے تو ہے وہی عنوانِ تمدن

افسوس کہ ہے اب خس و خاشاک سے لبریز
پھولوں سے تھا معمور جو دامانِ تمدن

دیکھو تو ہے سر تا بہ قدم وقفِ خزان آج
کل تک تھا گل افشان جو خیابانِ تمدن

آزادیٔ جمہور کے اس دور میں صد حیف
یہ طرزِ سیاست نہیں شایانِ تمدن

گلشن کی فضائیں نہیں دمساز و ہم آہنگ
ہیں گرم نوا زمزمہ سنجانِ تمدن

صدیوں سے تھی جو ہند کی محفل میں ضیا ریز
بجھنے کو ہے وہ شمعِ شبستانِ تمدن

حدیثِ پاستان

نہ ہوگی کل اگر اس دیس میں اردو زبان باقی
رہے گی پھر نہ سرشار و شرر کی داستان باقی

ہے رفتہ رفتہ اب دستِ حوادث اسکے درپے بھی
وطن میں رہ گیا تھا اک جو وحدت کا نشان باقی

رہیں گے کل بھی یہ حرف و حکایت کیا زبانوں پر
ابھی محفل میں ہے کچھ کچھ حدیثِ پاستان باقی

تمہاری کم نگاہی نے اُسے بھی قطع کر ڈالا
وہ اک رشتہ کہ مدت سے رہا تھا درمیان باقی

وسیلہ جب نہ ہوگا اتحاد و ربطِ قومی کا
رہے گی جسمِ قومیت میں پھر کس طرح جان باقی

بھلا ہم اس چمن کو کس طرح اپنا وطن سمجھیں
نہ ہو جس میں کوئی بھی ہم صفیر و ہم زبان باقی

بلاشبہ رہین گے اس کے تہذیب و تمدن بھی
ہے خاکِ ہند پر جب تک ہمارا کاروان باقی

کیے تھے آپنے وعدے جو کل خود برملا ہم سے
ذرا ارشاد ہو یہ بھی کہ ہین وہ اب کہان باقی

گوارا ہو ہمین کیون اس مین بن کر اجنبی رہنا
نہ ہو جب ملک مین خود اپنی تہذیب و زبان باقی

سنائین بھی تو کیونکر داستانِ دردِ دل اپنی
وہ اندازِ سخن ہے اور نہ وہ طرزِ بیان باقی

غلط ہے یہ کہ گلزارِ وطن مین اب نہین کوئی
امیر و داغ و چکبست و رتن کا نغمہ خوان باقی

فضائے دشت و در ہے آج بھی اس سے ہم آوازہ
کہ ہر وادی مین اردو کی ہے گلبانگِ اذان باقی

دبا سکتا نہین ہرگز کوئی آہنگِ فطرت کو
زبان شبلی و غالب رہے گی جاودان باقی

۵ نومبر ۴۹ء

کانگریس کا ماضی و حال

ہے کل کی بات ابھی جب کشورِ ہندوستان سارا
نظر آتا تھا یکسر وحدتِ قومی کا گہوارا

رواں تھا گوشہ گوشہ مین وطن کے پریم کا دھارا
ہے آنکھون مین ابھی تک وہ نظر افروز نظارا

دلون مین اتحاد و حبِ قومی کا یہ عالم تھا
مسلمان اور ہندو مین نہ کچھ بھی فرق باہم تھا

لڑی دونون نے یون شانہ بشانہ جنگِ آزادی
کہ ساری ملک مین اک زندگی کی لہر دوڑا دی

ہوئی اس راہ مین کس کس طرح دونون کی بربادی
زمانہ کے حوادث سے ہوئے پھر بھی نہ فریادی

وطن پر کر دیا قربان آرام و سکون اپنا
بہایا ملک و ملت کے لیے دونون نے خون اپنا

بھلا اس دور کے منظر کو کوئی بھول سکتا ہے؟ شہادت گاہِ پیشاور کو کوئی بھول سکتا ہے؟
فدایانِ وطن پرور کو کوئی بھول سکتا ہے؟ اُن آغشتہ بخون پیکر کو کوئی بھول سکتا ہے؟
جنھون نے مر کے ملت کو حیاتِ جاودان بخشی
غلام آباد کو آزادیِ ہندوستان بخشی

ہوا آزاد ان قربانیون سے جب وطن اپنا ہوا مدت کے بعد آباد جب اجڑا چمن اپنا
جمال اپنا دکھانے جب لگے سرو سمن اپنا بھلا نے بیٹھے اسیر باغ جب رنج و محن اپنا
چمن مین مدتون کے بعد جب فصلِ بہار آئی
خزان کے بعد جب موجِ نسیمِ خوش گوار آئی

تو بدلی ذہنیت افسوس ہر اک غنچہ و گل کی رہی وہ فطرتِ پاکیزہ ریحان کی نہ سنبل کی
نوا ہے اب وہ قمری کی نہ طوطی کی نہ بلبل کی جدا ہے کیفیت ہی اب وطن کے ساغرِ مُل کی
نہ اب وہ میکدہ ہے اور نہ وہ آثار باقی ہین
نہ رندانِ کہن کے آہ وہ کردار باقی ہین

بنایا تھا شعار اپنا جنھون نے کل اسیری کو گوارا کر لیا تھا ملک کی خاطر فقیری کو
سمجھتے تھے شرف جو قیدِ غم کی گوشہ گیری کو جو ٹھکراتے تھے کل تک پاؤن سے شانِ امیری کو
وہی افسوس اب عہدون کے پیچھے جان دیتے ہین
ستم ہے چند پیسون کے لئے ایمان دیتے ہین

بیان ہو کس طرح اُف دورِ حاضر[51] کی جو پستی ہے مگر چشمِ وطن اب عہدِ ماضی[52] کو ترستی ہے

---

۵۱ کانگریس کا دورِ حاضر ۵۲ کانگریس کا عہدِ ماضی،

کہین کس سے کہ خود اپنی ہی یہ سب تیرہ بختی ہے　　جدھر دیکھو ادھر ہنگامۂ فرقہ پرستی ہے

وطن کی بزمِ قومی[1] بھی ہے افسوس اب شکار اس کا
گھٹا جاتا ہے دنیا کی نگاہون مین وقار اس کا

مآلِ کار ہے کس شے کا یہ حالِ خراب آخر　　ہوا کیون حریت کے بعد اُف یہ انقلاب آخر
نگاہون نے جو کچھ دیکھا نظر آیا وہ خواب آخر　　جسے سمجھے تھے موجِ زندگی نکلا سراب آخر

بتاؤ دوگے کل تاریخ کو تم کیا جواب اس کا
جو کچھ تم کر رہے ہو لے گی قوم اک دن حساب اس کا

(مارچ ۴۹ء)

---

[1] کانگریس،

دَورِ وحشت

دورِ وحشت کا ہندوستان

ایسا زبون نہ تھا کبھی ہندوستان کا حال
آئے بھی اور گذرے بھی صدیوں کے ماہ و سال

جس دورِ ابتلا سے یہ ملک اب گذر رہا
تاریخ مین اس عہد کی ملتی نہین مثال

فق ہو گیا ہے چہرۂ ہستی کا آب و رنگ
گویا ہے لٹ گیا رخِ فطرت کا سب جمال

دیکھا نہ حیف چشمِ زمانہ نے آج تک
ایسا کبھی محاسنِ اخلاق کا زوال

تہذیب فرطِ شرم سے اس پر ہے سرنگون
اس بیسوین صدی نے دکھائے ہین جو کمال

ہے آج بھی جو سینۂ انسانیت کا داغ
اس زخم کا کبھی نہین ممکن ہے اندمال

نازان بہت تھی جس کی بہارون پہ خاکِ ہند
افسوس اب وہ گلشنِ رنگین ہے پائمال

ہے آج وحشیون کا نشیمن تمام ملک
انسان جہان فقط نظر آتے ہین خال خال

سینہ مین دھڑکے ہین ابھی مضمرات اور
تنہا اسی پہ ختم نہین انقلابِ حال

ہندوستان کو آہ ابھی دیکھنا ہے اور
اہلِ وطن کی شامتِ اعمال کا مآل

(فروری سنہ ۴۷ء)

ہندوستان کا دورِ وحشت

جو دیکھی ہو کبھی تہذیب کی یہ بے پر و بالی
بتائے آج ہم کو پیرِ گردون کی کہن سالی

ہوا ہے اُف جو کچھ ہندوستان عہدِ حاضر مین
کہون کیونکر کہ اس سے سینۂ ایام ہے خالی

ہوئی اب تک نہ ایسی وحدتِ قومی کی بربادی
نہ دیکھی آہ ایسی گلشنِ ملت کی پامالی

شرافت رہ گئی باقی نہ وہ قومی رواداری
کہ ایک اک چیز تم نے دورِ بہیمیں کی مٹا ڈالی

ہے انسان کے لئے اس دور میں انسان کا خوں جائز
معاذاللہ انسانی شرف کی یہ زبوں حالی

نہ چھوڑا حیف یک روزہ جگر گوشوں کو بھی تم نے
مگر لائے گی رنگ اک روز ان غنچوں کی پامالی

وطن اس دشمنِ ملت کو کیونکر بخش سکتا ہے
کہ جس نے ملک میں اس رسمِ خونیں کی بنا ڈالی

رہے گی بن کے اب تاریخ کا افسانۂ خونیں
ہمارے ملک کے اس دورِ وحشت کی بداعمالی

(ستمبر ۴۷ء)

سکھ نوجوان

(جس نے ڈاکٹر ذاکر کی جان بچائی)

ملیں تو چوم لوں اے نوجواں قدم تیرے
کہ تو نے نازشِ ملت کی پاسبانی کی

فروغِ دیدۂ قوم آج بن گیا ہے تو
قسم تری وطن افروز نوجوانی کی

بتا دیا ہے یہ تیری بلند فطرت نے
یہی ہے شان بہادر کی زندگانی کی

تری سنان نے بچائی ہو ہستیِ ذاکر
کہ شمعِ علم و ہنر کی ہے پاسبانی کی

زہے نصیب سپاہی کو مل گئی توفیق
متاعِ علم و معارف کی قدردانی کی

وہ جس کا علم و ہنر شان ہو معارف کی
وہ جس کا فکر و نظر جان ہے معانی کی

جمالِ حکمت و دانش کمالِ علم و ادب
نظیر آج نہیں جس کی نکتہ دانی کی

ہو کیوں نہ شکر گذار اب وطن کی دانش گاہ
ترے کرم کی، عنایت کی، مہربانی کی

خود اپنی ملت شوریدہ کے مقابل میں
کہاں مثال ہے اس سعی جانفشانی کی

نہ محو ہوگی کبھی یاد قلب گیتی سے
ترے حیات کے اس نقش غیر فانی کی

ہے دھوم خدمت انسانیت کی دنیا میں
تری شرافت و ایثار کی کہانی کی

جہان علم کا ہر بچہ اے جوان تجھ کو
دعائیں کیوں نہ دے اب عمر جاودانی کی

نہ صرف جامعہ ملیہ ہے تری مشکور
سر نیاز جھکانے کو قوم ہے مجبور

زندہ باد مہابیر تیاگی

اے ہند کے فرزند اولوالعزم مہابیر
قربانی و جانبازی و ایثار کی تصویر

ہر دل پہ ہے نقش آج ترا نام گرامی
ہر قلب میں ہے ثبت تری عظمت و توقیر

شاباش ہو اے بیر کہ تدبیر سے تیری
بننے کو ہے پھر ملک کی بگڑی ہوئی تقدیر

اس شان سے نکلا ہے تو میدان عمل میں
جانباز وطن ہے ترے فتراک کا نخچیر

آشوب تباہی ہو کہ طوفان بلا ہو
کوئی بھی نہیں راہ میں تیری ہے عنان گیر

اللہ رے ترا ولولہ خدمت و ایثار
اللہ رے ترا حوصلہ ہمت و تدبیر

تخریب کے اس دور پر آشوب میں لاریب
تبریک کے قابل ہے تری کوشش تعمیر

وردی ہو سپاہی کی کہ کھدر کا ہو ملبوس
دیکھے کوئی سرتا بہ قدم تیاگ کی تصویر

کس شان سے جاتا ہے سوئے مشہدِ ملت ہاتھون مین لئے خدمت و ایثار کی شمشیر
ہے مردِ مجاہد کی نگاہون مین وہ جادو دل سب کے ہوئے جاتے ہین بیساختہ تسخیر

ہو تجھکو مبارک یہ ترا عزم سپاہی
اے ہند کے سرمایۂ صد ناز جہانگیر

(نومبر ۱۹۴۶ء)

فغانِ انسانیت

کرو گے کب تلک حیوانیت کو سرخرو آخر بہو گے تا بہ کے معصوم بچون کے لہو آخر
سنو گے کب تلک غمگین کراہین چار سو آخر یتیمون اور بیواؤن کی آہین کو بہ کو آخر

اٹھو اے دوستو انسانیت کی لاج اب رکھ لو
سرون پر اشرف المخلوقیت کا تاج اب رکھ لو

خود اب تہذیب کی یہ جان کنی دیکھی نہین جاتی رخِ انسانیت کی مردنی دیکھی نہین جاتی
ہر اک سمت آہ یہ خنجر زنی دیکھی نہین جاتی یہ بے رحمی یہ جانی دشمنی دیکھی نہین جاتی

رہین گے یونہی ہم تا چند محوِ قتلِ عام آخر
کرے گا اور کیا اب یہ جنونِ انتقام آخر

خود اپنے ہاتھ سے ڈھاتے ہین اب ہم اپنی تعمیرین مٹانے پر تلے ہین ملک و ملت کی توقیرین
ہوئین اس دور مین کیا آہ وہ ماضی کی تصویرین یہی ہین دوستو! کیا خوابِ آزادی کی تعبیرین

جو آنکھین ہین تو قوم و ملک کا حالِ زبون دیکھو
خود اپنے کارنامون پہ وطن کا سرنگون دیکھو

ہے لازم بھول جائیں آج سب رنج و محن اپنا
ہو پہلی سی رواداری و الفت پھر چلن اپنا

کریں مل جل کے پھر آباد یہ اجڑا وطن اپنا
بسائیں پھر سے خوشبوے محبت سے چمن اپنا

خود اپنے دیس کے روٹھے ہوؤں کو اب منالائیں
وطن میں اپنے بچھڑے بھائیوں کو پھر بلا لائیں

(ستمبر ۴۷ء)

مسلمانوں کا محسن اعظم

ہے اس دنیا کے ذرہ ذرہ پر تیرا کرم گاندھی
غنیمت ہی جہانِ عصرِ نو میں تیرا دم گاندھی

نہ بھولے گی تجھے انسانیت اے محترم گاندھی
کہاں قسمت کہ آنکھیں چوم لیں تیری قدم گاندھی

کہ تو نے چہرۂ غمگین یتیموں کے سنوارے ہیں
انھیں تسکین دی ہی جو غم و حسرت کے مارے ہیں

یہ تیری کہنہ سالی اور یہ پیہم سفر[1] تیرا
ضعیفی کا یہ عالم اور یہ پھرنا دربدر تیرا

کرے مقدم نہ کیوں کر آنسوؤں سے چشمِ تر تیرا
بھلا کیونکر نہ ہو ہر دیدۂ مسلم میں گھر تیرا

کہ تو نے اُن کی خاطر تیر دل کے زخم کھائے ہیں
زبونِ حالی پہ اُن کی خون کے آنسو بہائے ہیں

مسلمانوں کی جانیں سر بکف ہو کر بچائی ہیں
محبت سے خود اُنکی راہ میں آنکھیں بچھائی ہیں

خود اپنے بھائیوں کی سختیاں پیہم اٹھائی ہیں
مگر پھر بھی یہ فرماتے رہے سب بھائی بھائی ہیں

۱؎ مہاتما جی کا سفر نوا کھالی۔

کہاں پاؤ گے تم اس دور میں ایسی رواداری
یہ ہند و اللہ اللہ اور مسلمانوں کی غمخواری

محبت کیوں نہ ہو تجھ سے ہر اک سچے مسلمان کو
ہو اخلاص و عقیدت کیوں نہ تجھ سے اہل ایمان کو
بھلا بھولے گا کوئی تیرے جیسے مخلص انسان کو
مسلمان کس طرح بھولے گا آخر تیرے احسان کو

ہر اک فرزند اس کا تیرا ممنون کرم اب ہے
ہر اک دل میں ترا نقش محبت مرتسم اب ہے

خداوندا! تو ہی اب کوئی ایسی شکل فرما دے
ہمارے دیس کے خونخوار نادانوں کو سمجھا دے
سیہ کاری یہ اپنی اب وطن والوں کو شرما دے
اخوت اور محبت سے دلوں کو ان کے گرما دے

انھیں بھی بخش دے تیرا ہی اب سوز جگر یا رب
پھریں تیری طرح یہ بھی وطن میں دربدر یا رب

(اکتوبر ۴۷ء)

آہ! داعی امن

ابھی کچھ اور دن جیتے وطن میں محترم گاندھی
کہ اس دنیائے پر آشوب میں تھے مغتنم گاندھی
رلائے کیوں نہ خون چشم وطن کو تیرا غم گاندھی
ملیں گے اب کہاں اس کو ترے لطف و کرم گاندھی

وطن کیوں کر سہے گا آہ اس داغ یتیمی کو
بھلا دے گا نہ کیوں دنیا تمہاری خود کرمی کو

یتیموں اور بیواؤں کا غم اب کون کھائیگا
مسلمانوں کے غم میں کون اب آنسو بہائے گا

وطن کے غم زدوں کو کون اب تسکین دلائیگا — نوا کھالی سے چل کر کلکتہ اب کون آئیگا

کرے گا کون آباد آہ اب اجڑی ہوئی دلی
بنے گی کس کے ہاتھوں آہ اب بگڑی ہوئی دلی

جہاں آباد ہے گریاں کہ اب گاندھی نہیں باقی — ہے چشم بلدہ خوں افشاں کہ اب گاندھی نہیں باقی
وطن ہے کلبۂ احزاں کہ اب گاندھی نہیں باقی — حزیں ہے آج ہر انساں کہ اب گاندھی نہیں باقی

ہے غم مظلوم کا غم کھانے والا ہو گیا رخصت
ہر اک دکھ درد میں کام آنیوالا ہو گیا رخصت

رواں ہوں کیوں نہ اب ہر چشم تر سے خون کے آنسو — کہ تنہا چھوڑ کر ہم کو سدھارے قوم کے باپو
جدھر دیکھو نظر آتی ہے اک آشفتگی ہر سو — ہے کس کا سوگ بھارت کو کہیں بکھرے ہوئے گیسو

اٹھا مغموم ہندوستان کے سر سے آپ کا سایہ
کہ اک بچہ کے سر سے اُٹھ گیا ہے باپ کا سایہ

منور جس سے تھی کل تک بھی کل بزم انسانی — دریغا بجھ گئی اک آن میں وہ شمع رحانی
ہزار افسوس ظالم نے نہ تیری قدر پہچانی — مٹے گا آہ کیونکر یہ وطن کا داغ پیشانی

فضائیں ہیں زمیں سے آسماں تک درد و ماتم کی
وطن تاریک ہے ہر سمت چھائی ہے گھٹا غم کی

مٹایا کس شقی نے اُس اہنسا کے پجاری کو — اخوت کے سپاہی امن و رافت کے بھکاری کو
سنے گا کون اب ہم غمزدوں کی آہ و زاری کو — پھرے گا کون در در اب ہماری غمگساری کو

کہان اب ہم مین باقی وہ ہمارا غم گسار آقا
اٹھا انسانیت کا دردمند و دلفگار آقا

وہ ہندو جلوہ گر تھی جس کے دل مین شمع عرفانی
وہ جس کا سینہ تھا سرچشمۂ توحید ربانی

رہا جو عمر بھر خدمت گزار نوعِ انسانی
ہویدا جس مین تھی خلقِ حسن کی پرتوافشانی

وہ درد و غم کا محرم اٹھ گیا افسوس دنیا سے
نقیبِ امن عالم اٹھ گیا افسوس دنیا سے

کاروانِ غم

(اس نظم مین گاندھی جی کی خاکستر دلّی سے الہ آباد لیجانے والے قافلہ اور سنگم کی تقریب غم کی طرف اشارہ ہے)

بچھے گی اللہ اللہ یہ صفِ ماتم کہان آخر
رُکے گا چل کے اب یہ کاروانِ غم کہان آخر

ہے سرگرمِ سفر یہ قافلہ پیہم کہان آخر
بپا ہونے کو ہے یہ حشر کا عالم کہان آخر

زیارت گاہ عالم آج تربینی کا سنگم ہے
الٰہی کس کی مشتِ خاک کا یہ خیر مقدم ہے

یہ تقریب الم ہے کس قدر غم آفرین یارب
زمین سے آسمان تک آج ہر اندوہگین یارب

ادا ہونے کو ہے باپو کی رسم آخرین یارب
نظر آتا ہے ذرہ ذرہ سنگم کا حزین یارب

ہجوم غم سے لہرون مین بھی بیتابی ہویدا ہے
یہ کس کی خاک یارب اب سپرد دو گنگا ہے

یہ مانا فرطِ غم سے حشر تک آنسو بہائے گی ۔ مگر افسوس دنیا اب کہاں باپو کو پائے گی
لگی دل کی مگر سنگم کی لہروں سے بجھائے گی ۔ کسی کی راکھ آنکھوں میں عقیدت سے لگائے گی

تجھے ڈھونڈھیں گی آنکھیں حشر تک سنگم کی موجوں میں
کہ گم ہے تیرے جلووں کی جھلک سنگم کی موجوں میں

ہیں کس کے غم میں تربینی کی آنکھیں اشکبار اب تک ۔ ہے کس کے ہجر میں سنگم سراپا سوگوار اب تک
لئے آغوش میں کس کو ہیں موجیں بیقرار اب تک ۔ یہ لہریں اللہ اللہ کس کی ہیں آئینہ دار اب تک

مقدس ہے وہ سنگم جس کے اندر تیرا جلوہ ہے
مبارک ہے وہ سنگم جس میں تو آرام فرما ہے

بہائی جا رہی ہے کس کی مشتِ خاک دریا میں ۔ اتاری جا رہی ہے راکھ کس کی رودِ گنگا میں
وہی جس کا ابھی کل غلغلہ تھا ساری دنیا میں ۔ نویدِ زندگی تھی جس کے پیغامِ اہنسا میں

کریں موجیں وفورِ شوق میں آغوش وا اپنی
وطن نے سونپ دی ان کو متاعِ بے بہا اپنی

آہ! محسنِ انسانیت

اب دل کو صبر و ضبط کا یارا نہیں رہا ۔ تسکینِ غم کا کوئی سہارا نہیں رہا
آنکھیں ہیں نم کہ آج اٹھا محسنِ حیات ۔ غم ہے کہ غمگسار ہمارا نہیں رہا
روشن تھا دہر جس سے وہ قندیل بجھ گئی ۔ بھارت کی آنکھ کا تھا جو تارا نہیں رہا

خاکِ وطن تھی جس کی ضیاؤں سے جلوہ ریز — وہ حق کی روشنی کا منارا نہیں رہا
بزمِ دعا ہے دیر سے سونی پڑی ہوئی — روحانیت کا انجمن آرا نہیں رہا
اس بیسویں صدی میں مثالِ گزشتگاں — جس نے زمانہ اپنا گذارا نہیں رہا
صدقے تھا جس پہ حکمتِ روحانیت کا درس — حق کا وہ اک لطیف اشارا نہیں رہا
حق کے لئے وطن کے لئے قوم کے لئے — سب کچھ کیا تھا جس نے گوارا نہیں رہا
لاٹھی کو ٹیکتا ہوا سرتا قدم جہاد — تھا جو مصافِ حق میں صف آرا نہیں رہا
دنیا کی مشکلات و موانع کے سامنے — جو آج تک کبھی نہیں ہارا نہیں رہا
روکا تھا جس نے وقت کا طوفان گذر گیا — پھیرا تھا جس نے دہر کا دھارا نہیں رہا
دے کر جہانِ عصر کو پیغامِ آشتی — خود جس نے بار بار پکارا نہیں رہا
اجڑے چمن کو جس نے نویدِ بہار دی — خاکِ وطن کو جس نے سنوارا نہیں رہا
وہ جس کی رام دھن میں تھے وحدت کے رمز — وہ جس کو حق کا نام تھا پیارا نہیں رہا

دردا وہ حق شناس و حق آگاہ اُٹھ گیا
امن و سلامتی کا نقیب آہ اُٹھ گیا

۵ فروری ۴۸ء

تجدیدِ غم

(مہاتما جی کی پہلی برسی کے موقع پر)

نہ کچھ بھی ہو سکا اس زخمِ غم کا اندمال آخر — وطن کو روتے روتے ہو گیا آج ایک سال آخر

سہے گی قوم کب تک یہ ترا داغِ ملال آخر
نہ جانے ہوگا کیا اس تیرہ بختی کا مآل آخر

سرشک افشاں ہے تیری یاد میں چشمِ وطن اب بھی
ہرا ہے آہ پچھلے سال کا داغِ کہن اب بھی

فضائیں سوگ میں ڈوبی نظر آتی ہیں عالم کی
عیاں ہیں ذرہ ذرہ سے وہی کیفیتیں غم کی
وہی اگلی سی اشک افشانیاں ہیں چشمِ پرنم کی
کہ ہے تقریب سارے ملک میں تجدیدِ ماتم کی

وطن ہے پھر نوائے آہ و شیون سے پُرآوازہ
کہ ۳۱ر جنوری لائی ہے پیغامِ غمِ تازہ

ترے تجدیدِ غم کی ہر طرف ہے محفل آرائی
کہ اک مدت کے بعد اہلِ وطن کو تیری یاد آئی
دلوں میں ہے وہی تیرے پیامِ حق کی گیرائی
ہے تازہ تیری شمعِ زندگی کی جلوہ فرمائی

زبانوں پر ترا پیارا مبارک نام جاری ہے
تری تعلیم جاری ہے ترا پیغام جاری ہے

تری اس یاد سے اے کاش دل سب کے سنور جائیں
تہے فیضانِ غم سے کیا عجب ہم سب سدھر جائیں
جو اب بھی ہیں ہرے وہ عصبیت کے زخم بھر جائیں
عناد و کینہ و پرخاش کے جذبات مر جائیں

کہاں ہیں آج ہم اس کا ہمیں اندازہ ہو جائے
ترا پیغامِ حق سب کے دلوں میں تازہ ہو جائے

۳۱ر جنوری ۴۹ء

تغزل

غزل

گناہِ عشق بھی ہے لذتِ دار و رسن بھی ہے
بحمد اللہ تازہ اب یہ آئینِ کہن بھی ہے

ہوئی ہے ہم سے پھر رسمِ جنونِ عاشقی تازہ
ہمارے دم سے پھر صہبائے الفت کا چلن بھی ہے

نہ یہ شورش ہے مینا میں نہ یہ مستی ہے صہبا میں
عجب شے یہ خمارِ بادۂ حبِّ وطن بھی ہے

نہ نکلا سر سے آخر یہ جنونِ عشق و سرمستی
بہت گو ہر طرف ہنگامۂ دار و رسن بھی ہے

کہاں اب سرفروشانِ وفا کے قافلے جائیں
کہ اب کم حوصلہ دستِ جفائے تیغ زن بھی ہے

مجھ کو ادائے شکر کے قابل بنا دیا
ان کی نگاہِ ناز نے بسمل بنا دیا

اک ادنیٰ نگاہ کو کمبخت عشق نے
میری حیاتِ شوق کا حاصل بنا دیا

اک قطرۂ چکیدۂ خون کی بساط کیا
ان کی نظر نے دل کو مرے دل بنا دیا

ہاں ان کی چشمِ مست نے کونین سے مجھے
غافل بنا دیا، مجھے غافل بنا دیا

جانِ حزیں کے پاس ہی تھی اُن کی جلوہ گاہ
تو نے کہاں کہاں اسے اے دل بنا دیا

نہیں اب التفاتِ نرگسِ مستانہ برسوں سے
وہ جانِ میکدہ کیوں مجھ سے ہے بیگانہ برسوں سے

ترستا ہے تصور اک ادائے حسنِ رنگیں کو
نہیں آتا نظر وہ پیکرِ جانانہ برسوں سے

نہ جانے درد ہے یا دل بس اتنا جانتے ہیں ہم — کہ رگ رگ میں نہاں ہی برقِ بیتابانہ برسوں سے
ادھر بھی اک نگاہِ التفات اے جلوہ آئین — ترے دم سے ہی روشن طور کا افسانہ برسوں سے

کبھی تو وادیِ دل پر بھی اک بجلی چمک جائے
کہ محرومِ تجلی ہے مرا غم خانہ برسوں سے

وہ جا کر بھی آنکھوں میں چھائے ہوئے ہیں — نگاہوں میں اب تک سمائے ہوئے ہیں
غمِ ماسوا کو بھلائے ہوئے ہیں — کسی سے جو اب لو لگائے ہوئے ہیں
معنبر ہیں زلفیں معطر ہیں عارض — وہ پھولوں میں گویا بسائے ہوئے ہیں
صباحت وہ ہے پیکرِ نازنین میں — کہ کوثر میں گویا نہائے ہوئے ہیں
وہ خود اپنی سرشار آنکھوں سے مجھ کو — شرابِ محبت پلائے ہوئے ہیں
چمکتی ہے ہر سمت برقِ تجلی — کہ وہ رُخ سے پردہ اٹھائے ہوئے ہیں

یہ حالت ہے اب ان کے سودائیوں کی
بہت زیست سے تنگ آئے ہوئے ہیں

ہمیں اب نہیں درخورِ بزم ورنہ — وہ ساقی وہی ہے وہ محفل وہی ہی
تڑپتا ہے پہلو میں جو درد بن کر — مرا دل وہی ہے مرا دل وہی ہی
ہمیں بجھ گئے ہیں نہیں تو چمن میں — وہی گل ہیں شورِ عنادل وہی ہی

جسے ہم سمجھتے رہے جانِ ہستی — حقیقت مین اک نقشِ باطل وہی ہے
کہان آہ صحرا سے اب اٹھ کے جائین — کہ پھر شورش و وحشتِ دل وہی ہے
کہون کیا مین اس عارضِ دلربا کو
مرے دین و ایمان کا حاصل وہی ہے

کیجئے ذکر نہ اب طور کے افسانے کا — دیکھئے جلوۂ صہبا مرے میخانے کا
فکر کعبہ کی نہ کچھ ہوش صنم خانے کا — ایک عالم ہے نیا اب ترے دیوانے کا
ہوا مین دردِ محبت کا سراشیفتہ دل — مین ہون سرشارِ ازل ہو اسی پیمانے کا
شعلۂ طور سے تعبیر جسے کرتے ہین — ہے وہ اک جلوۂ رنگین مرے میخانے کا
آج خم خانۂ ہستی مین کہین بھی ہے جواب — چشمِ ساقی کے چھلکتے ہوے پیمانے کا
تیرے آنے سے بہار آگئی اے جانِ بہار — ورنہ یہ رنگ نہ تھا میرے سیہ خانے کا

دلربائی کا حق ادا نہ ہوا — جلوۂ حسن برملا نہ ہوا
ہاے رعنائی فریب خیال — جا کے بھی مجھ سے وہ جدا نہ ہوا
تم نہ کھینچو جگر سے پیکان کو — دل ابھی لذت آشنا نہ ہوا
دیکھ لی جس نے انکے رخ کی بہار — لالہ و گل پہ وہ فدا نہ ہوا
گو ہوا عرش رس مگر پھر بھی — اثرِ نالہ رسا نہ ہوا
ہاے بیمار اور وہ بیمار — جو کبھی طالبِ شفا نہ ہوا

جس کو اپنا بنا لیا تو نے — جیتے جی پھر وہ غیر کا نہ ہوا
بیخودی مین بھی دیکھنا اُن کو
نگہِ شوق سے روا نہ ہوا

متاعِ دو جہان، کونین کا حاصل سمجھتے ہین — ازل سے ہم بحمد اللہ دل کو دل سمجھتے ہین
دلِ درد آشنا کیا ہے عطیہ فیضِ فطرت کا — اسے دیتے ہین جس کو جوہرِ قابل سمجھتے ہین
جمالِ عشق کی نیرنگیون کو دیکھنے والے — غبارِ قیس کو بھی رو کشِ محمل سمجھتے ہین
جبینِ شوق کو مطلوب ہے بس نقشِ پا ان کا — نشانِ ماسوا کو ہم خطِ باطل سمجھتے ہین
کہان موجِ نسیمِ صبح کی یہ عنبر افشانی
کوئی فتنہ ہم اس مین اور بھی شامل سمجھتے ہین

کر لین اب شامِ غم کو ہم رنگین — رو لین خون چشمِ اشکبار سے ہم
کیا کھلے گی کبھی یہ دل کی کلی — خوش ہون کیا آمدِ بہار سے ہم
لائے ہین اک بہارِ داغِ جنون — ارمغانِ حسن کے دیار سے ہم
ہو گئے لذتِ آشنائے نشاط — تلخیِ جورِ روزگار سے ہم
لاکھ وعدہ وفا نہ ہو پھر بھی — مست ہین کیفِ اعتبار سے ہم
آپ ہون خنجر آزما تو کبھی — باز آئین گے جانِ نثار سے ہم

دل مین کیا کیا لئے ہوئے اٹھے   آستانِ حریمِ یار سے ہم

ہین بہ اندازِ شوق مست و خراب

لذتِ کیفِ اعتبار سے ہم

(۵)

نوید جانفزا بن کر پیام دلنشین ہو کر   اٹھین پھر وہ نگاہین میری جانب شرمگین ہو کر

نہین اس کے سوا کچھ بھی خبر ساقی کی محفل مین   گذر جاتا ہون اکثر ماہ و پروین کے قرین ہو کر

فروغِ ماہ و انجم مین جمالِ لالہ و گل مین   کوئی ہے جلوہ فرما ہر طرف حسن آفرین ہو کر

جمالِ یار کی رنگینیان چھائی ہین فطرت پر   کہین ماہِ مبین ہو کر کہین خلدِ برین ہو کر

یہ موجِ مضطرِ مینا تڑپ کر اب نہ جا پہنچے   فضائے قدس تک بال و پرِ روح الامین ہو کر

بہارِ داغِ خونین مین نگارِ اشکِ رنگین مین

نمایان ہے الٰہی کون یہ نقشِ نگین ہو کر

درسِ عرفان کے لئے کچھ کم نہین برگِ گیاہ   محو ہو جاتے ہین فطرت کا یہ دفتر دیکھ کر

پتے پتے پر رقم ہے داستانِ خونِ دل   ہم تڑپ اٹھتے ہین اوراقِ گلِ تر دیکھ کر

عارضِ رنگین نگاہِ مست چشمِ نیم باز   بزمِ فطرت مست ہے یہ حسنِ منظر دیکھ کر

اک حیاتِ تازہ دوڑا دی شعاعِ مہر نے   جاگ اٹھا ہر ایک ذرہ روئے انور دیکھ کر

کچھ انھین پر دون سراب ان کا تماشا کیجئے   دیکھئے وہ عارضِ رنگین گلِ تر دیکھ کر

محفلِ ساقی مین اب وہ شیوۂ مستی کہان	رند ہو جاتے ہین سرخوش جام و ساغر دیکھکر
بزم مین برقِ تجلی کا گمان ہونے لگا	ہر طرف موجِ شرابِ روح پرور دیکھکر
کیا انھین آیا نظر میرے سرشکِ شوق مین
پھیر لین کیون وہ نگاہین دیدۂ تر دیکھکر

نظر اس عارضِ زیبا پہ نازیبا نہ ہو جائے	کہین سوءِ ادب کا شائبہ پیدا نہ ہو جائے
نہ ابھرے اس رُخِ رنگین کا اک نقشِ زیبائی	نگاہِ شوق اگر خود جا کے حسن آرا نہ ہو جائے
نگاہون سے اتر کر جو دلون مین نقش ہو اب تک	محبت کا وہ رازِ اولین افشا نہ ہو جائے
رگون مین دوڑتی ہو جس کی موجِ آتشِ تاب	کہین گردش مین پھر وہ ساغرِ صہبا نہ ہو جائے
تصور جس کی لذت سے ابھی تک رقص کرتا ہو
دُعا یا رب کہین وہ وعدۂ فردا نہ ہو جائے

جنھین دیکھا نظر آئے حسین سے	نظر یہ حسن لاتی ہے کہین سے
فضائے لامکان تک ہے معطر	کسی کے در کی خاکِ عنبرین سے
نویدِ زندگی ملتی ہے کیا کیا	نظر کو اس رُخِ حسن آفرین سے
جسے ملتی ہو ساقی کے لبون سے	اُسے کیا کام شیر و انگبین سے
سلامت میری فردوسِ تصور	کہ رنگین ہے جمالِ ہم نشین سے
ہمین تنہا نہین دنیا ہے سرمست	کسی کی نرگسِ سحر آفرین سے

بہت ہے عمر بھر کی بیخودی کو — ملی ہے جو نگاہِ اولین سے
چلی آتی ہے کس کی بوے جان بخش — صبا کی مست موجِ عنبرین سے
لے سجدے جو اُن کی آستان کے — گہر نکلے مژہ کی آستین سے
نظر نے لی ہے رنگینی جہان سے — لے ہین حسن کو جلوے دہین سے
نہین مٹنے کا دل سے داغِ الفت — جدا ہو نقش خود کیونکر نگین سے
جہان کا ذرہ ذرہ رقص مین ہے — محبت کی شرابِ آتشین سے
حقیقت ہاے ہستی پوچھتے کاش — کسی دیوانۂ صحرا نشین سے

اسی کو رند سمجھے جلوۂ طور
تڑپ اٹھیں جو موجِ ساتگین سے

کدھر جاے تیرِ نظر دیکھ لینا — مرے زخم ہاے جگر دیکھ لینا
انھین مست آنکھون کی تم کو قسم ہے — ادھر بھی کبھی اک نظر دیکھ لینا
کہین ان کی خوشبو نہ لائی ہو ظالم — ذرا جیب بادِ سحر دیکھ لینا
اٹھا کر نقاب اس رُخِ دلربا سے — ذرا آب اہلِ نظر دیکھ لینا
تجھے کیا ہے دشوار چشمِ تصور — انھین ہر طرف جلوہ گر دیکھ لینا
قفس مین گر آئین گے برقِ نشیمن — میرے آتشین بال و پر دیکھ لینا

نظر یون تو اس رُخ پہ سوءِ ادب ہے
روا ہے مگر اک نظر دیکھ لینا

ساقی

ادھر بھی بخش دے اک جرعۂ کیف آفرین ساقی
تری مخمور آنکھون پر فدا دنیا و دین ساقی

اٹھا تو بھی اسی عالم مین جام شیشہ آگین ساقی
گھٹاؤن سے برستی ہے شراب آتشین ساقی

ہر اک موجِ حباب موجِ صہبا بن کے آئی ہے
فضائین بن گئی ہین میکدہ کی سرزمین ساقی

برستا ہے زمین پر آبِ حیوان ابرِ باران سے
بہا دے تو بھی اٹھ کر جوے شیر و انگبین ساقی

گھٹائین جھوم کر اٹھین تو میکش یہ پکار اٹھے
کسی نے کھول دی ہے اپنی زلفِ عنبرین ساقی

تخیل تیرے جلوون کا تصور تیری آنکھون کا
یہ عالم ہے کہ اب ہو رقص مین جانِ حزین ساقی

تجلی ہر طرف ہے بزم مین یہ جامِ رنگین کی
فروغ انگیز ہے یا تیری تابندہ جبین ساقی

ترے ساغر سے جس دم بارشِ انوار ہوتی ہے
فلک کیا جھومتا ہے کیف مین عرشِ برین ساقی

تجلی کا وہ عالم اور وہ دستِ نازنین ساغر
کہان یہ تاب رندون مین کہ ہوتے ترے قرین ساقی

رگون مین دوڑتی ہے روح بن کر آرزو کس کی
رہا کرتی ہین یہ آنکھین شہیدِ جستجو کس کی

مرے ذوقِ نظر کا حسن ہے یا اُن کے جلوے ہین
رخِ فطرت پہ چھائی ہے بہارِ رنگ و بو کس کی

یہ دل کا راز ہے اس کو زبان پہ کس طرح لاؤن
کہ روزِ اولین سے تم ہو جانِ آرزو کس کی

انھین بھی کاش اس حسنِ محبت کی خبر ہوتی
جھلکتی ہے مرے آنسوؤن مین آبرو کس کی

کبھی اے کاش اس نسبت کا بھی کچھ پاس کر لیتے
بہارِ آرزو تم ہو بہارِ آرزو کس کی

ازل سے تابعِ فرمان ہی دورِ آسمان میرا
زمانہ کیا مٹا سکتا ہے نقشِ جاودان میرا

ہجومِ برق و باران ہو کہ طوفانِ تبرّابی
انھین شعلون مین ہی پنہان فروغِ آشیان میرا

نہ سنگِ راہ حائل ہے نہ مانع دوریِ منزل
بڑھا جاتا ہی جوشِ بیخودی مین کاروان میرا

زبانِ شمع ہون کس سے کہون سوزِ درون اپنا
نظر آتا نہین محفل مین کوئی ہمزبان میرا

جھکی ہے آج کیون اغیار کے در پہ جبین میری
کبھی عالم مین تھا مسجودِ عالم آستان میرا

گذرتے ہین جو لمحے چشمِ ساقی کے تصوّر مین
وہی دراصل ہے کل حاصلِ عمرِ روان میرا

محبت مین کچھ ایسی بات پیہم ہوتی جاتی ہی
کہ ساری زندگی اک مستقل غم ہوتی جاتی ہی

لہو رونے پہ مائل چشمِ پرنم ہوتی جاتی ہی
مری دنیائے غم شاداب و خرّم ہوتی جاتی ہی

ٹپک کر چہرۂ افسردہ کو شاداب کرتی ہی
مرے آنسو کی ہر بوند اشکِ شبنم ہوتی جاتی ہی

سکونِ دل کا شیرازہ پریشان ہوتا جاتا ہی
مگر شانون پہ اُن کی زلف برہم ہوتی جاتی ہی

نشاطِ دل کے سامان خود مہیا ہوتے جاتے ہین
متاعِ درد و غم یعنی فراہم ہوتی جاتی ہی

مری شب اے خدا کیا شمعِ سوزان کی شبِ غم ہی
سحر ہوتی ہی جون جون زندگی کم ہوتی جاتی ہی

وہی ہیں بزمِ عالم کی نشاط انگیزیاں لیکن — نہ جانے کیوں طبیعت مائلِ غم ہوتی جاتی ہے
دلِ ویراں بھی یارب کیا کوئی معمورۂ غم ہے — یہاں کی ہر خوشی تمہیدِ ماتم ہوتی جاتی ہے
یہ عالم اب مری آشفتگی کا ہے کہ ہر شے سے
مری طبعِ حزیں آمادۂ رم ہوتی جاتی ہے

چاروں طرف یہ حسن کی دنیا ہے جلوہ گر — یا خود بدل گیا ہے مرا نقطۂ نظر
بس بس کہ عمر بھر کے لئے ہے نشاط بخش — ساقی تری نگاہ کا یہ دورِ مختصر
اب اس مقام پر ہے مری شورشِ جنون — نے آہِ نیم شب ہے نہ ہے نالۂ سحر
ہیں کیا یہ کائنات ہی ساری بدل گئی — خود جب سے بن گیا ہوں کوئی مطمحِ نظر
ہوتے ہیں یہ ہر اہلِ جنون کو کہاں نصیب — قسمت سے مل گئے ہیں مجھے یہ دل و جگر
اے عشقِ غم نواز تری عمر ہو دراز — تو نے بنا دیا غمِ ہستی سے بے خبر
اُف ہیں تمہاری یاد و تصور کو کیا کہوں — فردوسِ فکر یہ ہے وہ ہے جنتِ نظر
ہیں سرخوشانِ شوق کہاں آئیں اب یہاں
کب سے ہے باز درِ میخانہ منتظر

نہیں جاتی دلِ مضطر کی بے تابی نہیں جاتی — کہ خود سیماب سے تقدیرِ سیمابی نہیں جاتی
ہوئے موقوف نالے روز و شب کے تھم گئے آنسو — مگر راتوں کو ان آنکھوں کی بے خوابی نہیں جاتی

نظر آئے تجھے کس عالم میں وہ چشمِ تصور کو
ابھی تک چہرۂ محزون کی شادابی نہیں جاتی

حجاب اندر حجاب و پردہ اندر پردہ ہو پھر بھی
رُخِ روشن کے جلووں کی جہانتابی نہیں جاتی

سجودِ شوق ہو وہ بھی بشرطِ ہوش و بیداری
جنوں میں بھی محبت کی خوش آدابی نہیں جاتی

جنوں ہو آگہی ہو، وصل ہو یا ہجر کا عالم
مرے دردِ محبت کی جگر تابی نہیں جاتی

وہی بس چند آنسو جو ہر حسنِ محبت ہیں
کہ مٹی میں بھی مل کر جن کی خوشابی نہیں جاتی

سراپا درد ساری زندگانی ہوتی جاتی ہے
محبت اک بلائے ناگہانی ہوتی جاتی ہے

ہر اک شے سے جہاں کی سرگرانی ہوتی جاتی ہے
قیامت اب مری شوریدہ جانی ہوتی جاتی ہے

دلِ محزون سے ہر نقشِ تصور مٹتا جاتا ہے
مگر اک یاد اُن کی جاودانی ہوتی جاتی ہے

نظر آنے لگے ہے اور ہی کچھ منظرِ فطرت
نگاہوں پر یہ کس کی حکمرانی ہوتی جاتی ہے

محبت نے چھپا رکھی ہے جو اک آگ سی دل میں
وہی آنکھوں سے اب بہہ کے پانی ہوتی جاتی ہے

زبانوں پر کبھی یہ حرفِ نازک آ نہیں سکتا
حدیثِ شوق آنکھوں کی زبانی ہوتی جاتی ہے

تغافل اور پیہم تغافل اے معاذ اللہ
مجھی پر خاص کیوں یہ مہربانی ہوتی جاتی ہے

نہاں ہیں اس میں نکتے سیکڑوں حسن و محبت کے
وہ دزدیدہ نظر جانِ معانی ہوتی جاتی ہے

نہ اب وہ ولولے ہیں اور نہ ذوقِ زندگی باقی
حیاتِ شوق نذرِ عمرِ فانی ہوتی جاتی ہے

جو مل جاتے کبھی تو اُن کے قدمون کی بلا لیتے ہجومِ بیخودی مین اپنی آنکھون سے لگا لیتے
عجب کیفیتین ہوتین جو وہ خود سامنے ہوتے کبھی نظرین اٹھا دیتے کبھی نظرین جھکا لیتے
کہان یہ کلبۂ غم اور کہان اُن کے قدم لیکن بُرا کیا تھا جو اک دیکھتے ہوی دل کی دُعا لیتے
کبھی ہم اس رُخِ زیبا پہ جان و دل فدا کرتے کبھی اس زلفِ مشکین کی بلائین بر ملا لیتے
کبھی موجِ ہوا مین اُنکی خوشبو کو سمو لیتے کبھی ساری فضا کو اُنکی نکہت مین بسا لیتے
محبت کا پیام اور غیر کا حرفِ بیان توبہ اشارون سے طلب کرتے نگاہون سے بلا لیتے

یہ رسمِ احتراز و اجتناب اے جانِ من تا کے
مناسب تھا نظر کے یہ حجابات اب اٹھا لیتے

وہ بھی سلسلۂ الفت کا عجب عالم تھا وہ تھے اور سامنے قدمون پہ مرا سر خم تھا
پھیر لین کس لئے تونے وہ نگاہین اپنی میری آنکھون مین تو ساقی ابھی باقی دم تھا
ہائے آغازِ محبت کے وہ رنگین لمحات التفات اُن کی نگاہون کا ابھی کم کم تھا
بیخودی میری نہین سوءِ ادب اے ناصح تھا تقاضا نگہِ یار کا اور پیہم تھا
دل کا شیرازہ یہان کیون نہ پریشان ہوتا گیسوے یار جو شانون پہ وہان برہم تھا
جس نے ساقی کی نگاہون کے اشارے سمجھے بزم مین رازِ حقیقت کا وہی محرم تھا
حسن اور عشق کی خاموش نگاہون کی قسم حسن اور عشق مین اک ربط عجب باہم تھا
نہ یہ شورش تھی نہ ہنگامہ نہ فریاد و فغان اُن کے دیوانون کا وہ بھی کبھی اک عالم تھا

پھونک ہی ڈالتا یہ ورنہ غمِ ہجر و وصال
شعلۂ عشق حقیقت مین ابھی مدھم تھا

آنسو

برستے تھے نہ یون آنکھون سے پہلے بار بار آنسو
نہ جانے کیون نکل پڑتے ہین اب بے اختیار آنسو

اس آب و تاب مین اب تک بھی کچھ تو نمایان ہو
کسی کے حُسن کے شاید کہ ہین آئینہ دار آنسو

تسلسل اللہ اللہ قطرہ ہاے اشکِ رنگین کا
نظر سے تا بہ دامن آکے بن جاتے ہین ہار آنسو

ہے جیب و آستین اس کاروانِ آب کی منزل
رواں ہین چشمِ پرنم سے قطار اندر قطار آنسو

نکل پڑتے ہین باہر اک ذرا گر چھیڑیے ان کو
دبے رہتے ہین ان پلکون کے نیچے بے شمار آنسو

حسنِ ہم آہنگ

کہون کیونکر تمناے دلِ درد آشنا تم ہو
مری ان اشک بار آنکھون کی جانِ مدعا تم ہو

نگاہین ہین تمھاری آشنا دردِ محبت کی
کہ خود آئین شناسِ الفت و رسمِ وفا تم ہو

مرے ذوقِ طرب کے واسطے یہ بات کیا کم ہے
کہ تنہا گلشنِ فطرت مین میرے ہم نوا تم ہو

سناؤن کیون نہ تم کو اپنی روداد غمِ پنہان　　انیس دردمند و ہمدم درد آشنا تم ہو
قسم ہے اس کمالِ بیخودی و کیف و مستی کی　　مرے کیف و نشاطِ بیخودی کی ابتدا تم ہو

تصدق تم پہ سب رعنائیان فکر و تصور کی
کہ جانِ آرزوے شاعرِ رنگین نوا تم ہو

متفرقات

اردو

یہ دل کشی زبانِ اردو — رنگینیِ داستانِ اردو
ہیں شہد سے بھی زیادہ شیریں — لب ہائے شکرفشانِ اردو
ہر حرف میں اس کے ہے حلاوت — پڑھئے تو ذرا بیانِ اردو
معمورِ خزانۂ ادب ہے — دامانِ گہرفشانِ اردو
رنگینِ بہارِ بے خزاں ہے — ہر گوشۂ گلستانِ اردو
اسلاف کی آبیاریوں سے — شاداب ہے بوستانِ اردو
ہیں غالب و میر و داغ و اقبال — سرمایۂ عزوشانِ اردو
حالی کی نوائے روح پرور — ہے زندگیِ روانِ اردو
شبلی کے خزانۂ ادب سے — ملتی ہے حیاتِ جانِ اردو
چکبست و رتن ہیں سربسجدہ — اللہ رے آستانِ اردو
ہے فیض انھیں کا جو ابھی تک — آباد ہے خاندانِ اردو
عبدالحق و بوالکلام و سید — ہیں نازشِ دودمانِ اردو
روشن ہے فروغِ مہر و مہ سے — اب محفلِ آسمانِ اردو

ہاں کشورِ ہند تک فقط اب — محدود نہین جہانِ اردو
کشمیر سے لے کے تا بہ کابل، — ہر فرد ہے نغمہ خوانِ اردو
دُنیا کی تمام وادیون مین — ہے گونج رہی اذانِ اردو
بے خوف و خطر ہے جادہ پیما — ہر راہ مین کاروانِ اردو
دیکھو جسے لذّتِ آشنا ہے — ہر سمت بچھا ہے خوانِ اردو
یہ حسنِ قبول اللہ اللہ — ہے معجزۂ زبانِ اردو
اغیار ہون لاکھ درپئے گو — مٹنے کا نہین نشانِ اردو
لاریب وہ ہند کی زبان ہو — کہتے ہین جسے زبانِ اردو
جس گوشہ مین ڈھونڈیے ملیگا — اس ملک مین ترجمانِ اردو
سرشار و شرر کے جو ہین منکر — ہین دشمنِ خاندانِ اردو
سررشتۂ اتحادِ قومی، — ہے آج فقط زبانِ اردو
اس دیس مین ہین وہی وطن دوست — ہین آج جو حامیانِ اُردو

بے شبہ وہ ملک کے ہین دشمن
ہین آج جو دشمنانِ اردو

امام الہند

کی

خدمتِ اقدس میں عیدِ قرباں کی پیشکش تہنیت

عجب انداز سے تیاریاں ہیں عید قرباں کی — خلیل اللہ کی سنت ادا ہوتی ہے زنداں میں
زباں پر نعرۂ تکبیر ہے پاؤں میں زنجیریں — ہے روح عشق زندہ عصر حاضر کے مسلماں میں
وطن کا یوسف گم گشتہ جس میں جلوہ فرما ہے — سلام شوق پہنچا دے صبا اس گلستاں میں

عجب کیا یہ سفر ہو آپ کا تمہید آزادی
وہ دن لائے خدا جب ہم منائیں عیدِ آزادی

(بزمانۂ اسیری نینی جیل)

ایک داعیِ امن
کی
حیاتِ نو

اللہ رے جہان میں تری شانِ زندگی — خود زندگی ہوئی ترے قربانِ زندگی

بخشا خدا نے تیرے دمِ واپسین کو پھر — روحِ حیاتِ نو سر و سامانِ زندگی

صد شکر تیرے قالبِ افسردہ کو ملی — فیضِ ازل سے از سرِ نو جانِ زندگی

وہ شمعِ جان کہ تھی ہدفِ صرصرِ اجل — صد شکر آ گئی ترے دامانِ زندگی

دستِ اجل نے تجھ کو دیا ساغرِ حیات — تو ہے وہ مستِ بادۂ عرفانِ زندگی

اس وقت بھی تو سرخوشِ کیفِ بقا رہا — باقی رہا نہ جب کوئی امکانِ زندگی

کس کو ملا ہے دہر میں یہ رتبۂ حیات — سارا جہان ہے تیرا دعا خوانِ زندگی

اس بات پر ہے عالمِ انسانیت گواہ — چھایا ہے چار سو تیرا فیضانِ زندگی

ہستی تری ہے سب کے لئے اک نویدِ امن — ہے دشمنوں پہ بھی ترا احسانِ زندگی

تو دہر میں ہے امن و امان کا پیامبر — ہے صلح و آشتی ترا ایمانِ زندگی

رحمت تری سرشت ہے رافت ترا شعار — دنیا میں ہے یہی ترا عنوانِ زندگی

ہو کس لئے نہ تیرے لئے بیقرار قوم — تیرا وجود ملک میں ہی جانِ زندگی

صد حیف اس کے واسطے یہ اہتمامِ مرگ
جس کی ہر ایک سانس ہو شایانِ زندگی

با این ہمہ بتاؤ کوئی اس کا کیا کرے
ملتا ہے جس کو غیب سے سامانِ زندگی

دیتی ہے دمبدم جو تجھے مژدۂ حیات
فطرت ہے خود ہی تابعِ فرمانِ زندگی

اعدائے زندگی ترے مایوس کیوں نہ ہوں
خود جب خدا ہے تیرا نگہبانِ زندگی

روزِ ازل سے ہے یہی ایمانِ حق پرست
دشمن اگر قوی ست نگہبانِ قوی ترست

(اس نظم میں گاندھی جی کے اس مشہور برت کی طرف اشارہ ہے جو یرودا جیل میں موت وحیات کے انتہائی نازک لمحات سے گذر کر بالآخر کامیابی پر ختم ہوا)

مقدم

حیاتِ شبلی

کی رقم خامۂ سیّد نے حیاتِ استاذ
منتظر جس کے تھے سب ہند سے تا مصر وحجاز

سیرتِ سرورِ کونین سے فارغ ہو کر
اس صحیفہ کا بصد شوق ہوا تھا آغاز

للہ الحمد ہم این کار بہ پایان برسید
زیبِ قرطاس ہے شبلی کا ہر اک نقش طراز

یہ بھی خود کلکِ سلیمان کا ہے اک نقش بدیع
جس طرح سیرتِ سرکار ہے اس کا اعجاز

دیکھنے کے لئے خود بانیٔ سیرت کی حیات
دیدۂ شوقِ ملائک بھی عقیدت سے ہے باز

دیر سے منتظرِ دید تھیں آنکھیں اُن کی
حرزِ جان کیون نہ بنائین اسے اربابِ نیاز

کارنامہ ہے یہ اس نامورِ دوران کا
جس کے دم سے تھے پرآوازہ کبھی شام و حجاز

ہے یہ اس نکتہ ورِ عصر کی تاریخِ حیات
ہند مین ربع صدی تک جو رہا نکتہ طراز

جس نے عالم مین معانی کا کیا رتبہ فزون
دہر مین جس نے معارف کا کیا پایہ فراز

عہد کا اپنے وہ ہم پایۂ رازی جس نے
اہلِ تحقیق پہ کھولا درِ گنجینۂ راز

اس کی تحقیق کے آئین تھے زمانہ سے الگ
اس کی تحریر کا دنیا سے جدا تھا انداز

شرحِ صد عقدۂ دشوار تھی اس کی تفصیل
بسطِ صد دفترِ اسرار تھا اس کا ایجاز

نظر اس کی تھی رہ و رسمِ کہن سے آزاد
ہنر اس کا تھا زمانہ کے ہنر سے ممتاز

جس قدر اس کے زمانہ کے تھے آدابِ علوم
اشہبِ خامہ تھا ہر جادہ مین گرمِ تگ و تاز

خوابگہ اس کی کہ ہے دہر مین سرچشمۂ فیض
آج بھی اہلِ جہان کے لئے ہے علم نواز

اب بھی ہے جلوہ دہ مسندِ شبلیؒ صد شکر
ذاتِ سید کہ ہے استاذ کا سرمایۂ ناز

اس صحیفہ پہ عجب کیا جو چلی آتی ہے
مرقدِ پاک سے احسنت کی پیہم آواز

روحِ استاذ ہے یون زمزمہ پردازِ دعا
اے خدا عمرِ سلیمان بہ جہان باد دراز

جمالِ جامعہ

بتقریبِ جشنِ سیمیں منعقدہ ۱۵ نومبر ۴۶ء

جھکے سجدے میں سر کیونکر نہ ہر اہلِ نیایش کا
کہ سر اونچا ہوا علم و ادب کے فخر و نازش کا

ادا ہو کس زبان سے شکر یارب اس نوازش کا
کہ ہے چھبیسواں سال آج اہلِ ایوانِ دانش کا

ملا صد شکر معراجِ ادب کا مرتبہ اس کو
بجا ہے آج اگر کہئے وطن کا قرطبہ اس کو

وہ بلدہ جس کے قدموں میں فروغِ نیرِ خشاں ہے
وہ بلدہ جس کے کھنڈروں پہ تصدق کاخِ کیواں ہے

وہ جس کا گوشہ گوشہ یادگارِ قصرِ ایواں ہے
وہ جس کا چپہ چپہ معدنِ لعلِ بدخشاں ہے

وہ شہرستان کہ عشرت گاہِ شاہانِ سلف کا ہو
اسی میں جامعہ کی جوبلی کا جشن برپا ہے

وہ دہلی جس نے دیکھے سیکڑوں جشنِ شہنشاہی
مسلم تھی زمانہ بھر میں جس کی شانِ جم جاہی

وہ دہلی غلغلہ تھا جس کا صدیوں ماہ تا ماہی
وہ دہلی جس سے پھوٹا چشمۂ فیضِ حق آگاہی

وہ دہلی اہلِ دل عظمت پہ جسکی آج روتے ہیں
وہ دہلی خاک میں جس کی ولی اللہ سوتے ہیں

وہی دار السلام ہند غل ہے ہر طرف جس کا　　طواف اہلِ ہنر کرتے ہیں اب بھی صف بہ صف جس کا
وہیں ہے یہ دبستان نقش ہے نام سلف جس کا　　ہے اسلامی بھی اور ملی بھی طغرائے شرف جس کا

بجا ہے دین و دانش کا فروغِ عین اُسے کہئے
معارف اور ادب کا مجمع البحرین اُسے کہئے

دیارِ شرق میں یہ جامعہ وہ بیتِ حکمت ہے　　مسلم دانش مغرب کو بھی خود جس کی عظمت ہے
ادب آموز ملت ہے، ہنر افروز اُمت ہے　　کہ نصب العین اس کا مذہب و دانش کی خدمت ہے

یہی ہے ابتدائے آفرینش سے شعار اس کا
ہے ذرہ ذرہ اس ایوان کا آئینہ دار اس کا

دماغوں کو بتائے راز اُسی نے نکتہ دانی کے　　دئے فکر و نظر کو درس اُسی نے پر فشانی کے
اُسی نے وا کئے ہیں عقدے اسرار و معانی کے　　اُسی نے ہم پہ کھولے ہیں حقائق زندگانی کے

یہی وہ زندہ دانش گاہ ہے مرحوم جوہر کی
فضائے تیرہ جس نے عہدِ حاضر کی منور کی

وہ جس کا مدعا تعلیم بھی ہے تربیت بھی ہے　　جہانِ عصر کے فکر و نظر کی حریت بھی ہے
شغفِ آدابِ نو کا علمِ دین کی معرفت بھی ہے　　وہ جس کا امتیاز اسلامیت بھی ملیت بھی ہے

دیا ہے درسِ نو جس نے وطن کے نکتہ دانوں کو
حیاتِ تازہ دی ہے جس نے ملت کے جوانوں کو

یہ ہے وہ تربیت گاہِ گرامی دورِ حاضر کی　　ہنر کے ساتھ اہمیت ادب کی جس نے ظاہر کی

زمانہ ہے دماغ و دل کی دنیا جس نے ظاہر کی فضائل سے جوانوں کی حیات آراستہ پھر کی
پھلیں پھولیں نہ کیونکر نونہالانِ وطن اس میں
ہے محوِ تربیت خود باغبانِ علم و فن اس میں

بچایا علم کے سودائیوں کو اس نے خامی سے کیا ذہنوں کو آزاد اُس نے یورپ کی غلامی سے
ملا کر بادۂ افرنگ کو صہبائے شامی سے علومِ نو کی راہیں طے کرائیں تیز گامی سے
نہیں اب یہ تمنا طالبانِ علم و حکمت کی
اٹھائیں منزلِ ہستی میں ذلت ننگِ غربت کی

اسی نے حل کئے ہیں مسئلے تعلیمِ حاضر کے ہیں جلوے چار سو آج اس کی حکمت کے مظاہر کے
عیاں ہیں کارنامے اس کے استادانِ ماہر کے نہیں مخفی کمالات و فضائل آج ذاکر کے
یہ ہے وہ ماہرِ تعلیم ہستی عصرِ حاضر کی
صفِ اوّل میں فائز ہو جو دنیا کے اکابر کی

نئے عنوان سے علم و معارف کو ضیا بخشی کیا بینا نظر کو عقل و دانش کو جلا بخشی
ادب کو نشاۃِ نو کی نوید جانفزا بخشی ہنر کو دی حیاتِ تازہ دانش کو بقا بخشی
مٹایا درس و حکمت کا وہ آئینِ کہن اس نے
کہ ڈالی اک نئی طرحِ نظامِ علم و فن اس نے

علومِ کہنہ و آدابِ نو کا یہ وہ سنگم ہے جہانِ عصر میں جو مرجعِ اربابِ عالم ہے
وہ جس کا امتیازِ علم دنیا میں مسلم ہے وہ جس کا اعتبارِ دانش اک آئینِ محکم ہے

رہ و رسمِ کہن سے ہے جدا طرزِ ہنر جس کا
زمانہ سے الگ ہے نقطۂ فکر و نظر جس کا

مئے کہنہ میں حکمت سے شرابِ نو ملا دی ہے   بڑی ترکیب سے اذہانِ حاضر کو جلا دی ہے
جہاں کو اک نئی صہبائے دانش کی صلا دی ہے   ہنر کے خم کدوں کو اک نوید جانفزا دی ہے

جمالِ دین و دانش کو فروغِ تازہ بخشا ہے
رُخِ علم و ہنر کو از سرِ نو غازہ بخشا ہے

مئے خوش رنگ سے چھلکا دیا خالی ایاغوں کو   کیا ہر جرعہ جاں بخش سے روشن دماغوں کو
جلایا پھر سے ہر محفل میں دانش کے چراغوں کو   بتایا گنج ہائے علم و حکمت کے سراغوں کو

کیا تحقیق و دانش کا الگ رنگِ ہنر پیدا
نیا ذوقِ ادب پیدا نیا طرزِ نظر پیدا

جہاں میں غلغلہ ہے اسکی شانِ اجتہادی کا   ہے چرچا شرق و مغرب میں اسکی اوستادی کا
نہ پوچھو اب جمال اس حکمت و دانش کی وادی کا   عجب عالم ہے اس کی روح پرور خوش سوادی کا

نگاہِ اہلِ معنی کی یہ وہ فردوسِ حکمت ہے
کہ جس کا ذرہ ذرہ دہر میں شایانِ عظمت ہے

بحمد اللہ آج اس نے ہنر کی منزلیں طے کیں   زمانہ کے مشاہیرِ ادب کی محفلیں دیکھیں
زمانہ میں ہوئے مقبول اس کے حکمت و آئیں   اسی تقریب سے برپا ہے اب یہ محفلِ رنگیں

تماشا گاہِ عالم آج یہ ایوانِ دانش ہے
کہ آج اس پیکرِ زیبائے حکمت کی نمائش ہے

گذارین بست و پنج اس نے بہارین زندگانی کی — معارف کی ہنر کی علم و فن کی نکتہ دانی کی
اب آگے منزلین ہین اور فوز و کامرانی کی — کمالِ حکمت و دانش کی تکمیل معانی کی

نئی منزل کی جانب اٹھ رہے ہین اب قدم اسکے
قدم لے کیون نہ ہفت اقلیم قرطاس و قلم اسکے

کہان ہین اہلِ دانش علم و فن کا یہ چمن دیکھین — کہان ہین اہلِ حکمت آئین یہ گلزارِ فن دیکھین
بہارستانِ دانش کے گل و سرو و سمن دیکھین — گلستانِ معارف کے شقیق و نسترن دیکھین

ہے نزہت بخش قلب و روح یہ تازہ بہار اسکی
رہے گی مدتون یہ بزم رنگین یادگار اسکی

مبارک ہو مبارک یہ ہنر کی چہرہ افروزی — مبارک ہو مبارک یہ ادب کا جشنِ نوروزی
مبارک ہو مبارک یہ کمالِ حکمت آموزی — مبارک ہو مبارک یہ جمالِ دانش اندوزی

بجا ہے غرقِ تابش اب جو یہ ایوان سارا ہے
رخِ لیلائے دانش بے نقاب اب جلوہ آرا ہے

نظر کے سامنے ہے کس قدر نزہت فزا منظر — چلے آتے ہین کھنچ کھنچ کر یہان تک کے دانشور
یقیناً اس کشش مین ہے کوئی رازِ نہان مضمر — کہ ہے یہ یادگارِ اجمل و انصاری و جوہر

در و بام اس کے ہین یا خوابِ انصاری کی تعبیرین
کھنچی ہین آرزوے اجمل و جوہر کی تصویرین

یہین دیکھو وہ اک گوشہ مین آسودہ ہین انصاری — نہان ہے ہان یہین وہ آفتابِ صبحِ بیداری

وہ جس کی فطرتِ پاکیزہ تھی جانِ دل افگاری　　　وہ جس نے کی ہر برسوں ملتِ بیضا کی غمخواری
وہ جس کے دم نے اس حکمت کدہ کو زندگی بخشی
حیاتِ سرمدی، تابندگی، رخشندگی بخشی

سنیں آکر کہاں ہیں سننے والے گوشِ عبرت سے　　　صدا یہ آ رہی ہے صاف انصاری کی تربت سے
کہ اے بادِ صبا کہدے مسیحِ ملک و ملت سے　　　لحد میں سونے والے پیکرِ تمکین و عظمت سے
کہ جس بیمارِ غم کی آپ نے کی تھی مسیحائی
خود آکر دیکھتے اے کاش آج اس کی توانائی

پھر اے بادِ صبا اک اور یہ خدمت بجا لانا　　　شہیدِ حریت کو یہ مرا پیغام پہونچانا
نشیدِ نو سے اس کی خاکِ تابندہ کو گرمانا　　　جوارِ قدس کے اُس سونے والے سے یہ کہہ آنا
کہ تیرے مجلسِ دانش میں ہے تازہ بہار آئی
عروسِ جامعہ ہے آج محوِ جلوہ آرائی

خدا بخشے فروغ اس مظہرِ فیضِ اکابر کو　　　کمال اب اور دے دارالعلومِ عصرِ حاضر کو
یونہی چمکائے ہر سو اس کی حکمت کے مظاہر کو　　　ادب افروز رکھے دیر تک ملت کے ذاکر کو
کہ اس میخانۂ اسرار کے ہیں اب یہی ساقی
انھیں کے دم سے میخانہ کا ہے مجد و شرف باقی

رایتِ حق

بتقریب صبحِ آزادی ۲۶ رمضان المبارک مطابق ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء

سحر گہ عین وقتِ فجر قبل از صبحِ نورانی
مبارک ہو مبارک رایتِ حق کی پر افشانی

فروزاں ہے یہ پرچم یا نقابِ ظلمتِ شب سے
ہویدا ہے بیاضِ صبحِ نو کی جلوہ سامانی

لوا ہے یہ وہ بزمِ دہر میں جمعیتِ حق کا
جھکی ہے جس کے آگے بارہا باطل کی پیشانی

وہ رایت جس کے ناصب غازیانِ ملتِ بیضا
وہ پرچم جس کے رافع عالمانِ دینِ ربانی

سروں پہ غازیوں کے جس نے کی ہے سایہ اندازی
مجاہد کی صفوں پر جس نے کی ہے پرتو افشانی

رہے ہیں اس کے نیچے گرمِ جولاں قافلے حق کے
ہوئی ہے اس کے سایہ کے تلے صدیوں حدی خوانی

مسلمانوں کو جس کے اوج نے بخشی سرافرازی
شتربانوں کو جس کے فیض نے بخشی جہانبانی

وہ پرچم جس کی رفعت سربلندی دینِ بیضا کی
وہ پرچم جس کی فطرت ملتِ حق کی نگہبانی

جہاں میں سب سے پہلے کلمۂ اسلام کا داعی
مساوات و اخوت کا پیامی عدل کا بانی

سوادِ مطلعِ انوار ہے نقشِ سیہ جس کا
فروغِ دیدۂ عالم ہے جس کا خطِ نورانی

وطن میں رفعتِ اسلام کا دشمن اُسے سمجھو
وہ جس نے رایتِ اسلام کی عظمت نہ پہچانی

تعالی اللہ یہ پرچم آج بھی ہے اُنکے ہاتھوں میں
جہاد و زہد و تقوی میں نہیں جن کا کوئی ثانی

بڑھی جاتی ہے اس کی سربلندی آج گردوں تک
تعجب کیا اگر ہے حزبِ باطل کو پریشانی

نشانِ حق ہے یہ آئینہ دارِ اوجِ ملت ہے
ہے اس کی رفعتوں پر آج کیوں دنیا کو حیرانی

[illegible]
[illegible]

شکوۂ زبان

دعاگو و ثنا خوان ہر زبان حالیؔ و شبلیؔ　　مبارک ہو مبارک ہند کا دورِ خوش اقبالی
بتاؤ کیا یہی آثار ہیں قومی ترقی کے　　زوالِ علم و دانش اور معارف کی زبون حالی
محافظ تھے ابھی کل جو اقلیت کے کلچر کے　　انہی کے ہاتھ سے ہوتی ہے اب اردو کی پامالی
ہے بیزار ہی تمھیں تو صرف اسلامی تمدن سے　　ہے ورنہ آج بھی وجہِ شہرت یورپ کی نقالی
مآل اُن کا ذرا تاریخ کے صفحات سے پوچھو　　وہ قومیں ہو گئیں جو جوہرِ کردار سے خالی

ہزار افسوس تم اس دور میں یہ بھی بھلا بیٹھے
کہ حاصل ہے تمھیں کس مردِ حق کی نسبتِ عالی

ایک مخلصِ محبّ

کی

وداع

ذرا کچھ دیر ابھی شغلِ مے و مینا بہم ساقی　　کہ میخانے سے اب اٹھنے کو ہیں تیرے قدم ساقی
کہاں فرصت کہ دیکھیں چشمِ تر سے جام و مینا کو　　ترے رندانِ میکش کیا ہیں ابھی مصروفِ غم ساقی
نہیں ہیں کچھ ہمیں سرخوش تری چشمِ عنایت کے　　کہ میخانے کا ہر ذرہ ہے ممنونِ کرم ساقی

نہ پھیرا اپنی نگاہوں کو ابھی اے جانِ میخانہ
ترے رندوں کی آنکھوں میں ابھی باقی ہے دم ساقی

کرے کس طرح اظہارِ غمِ دل تو ہی فرما دے
زبانِ خامہ میں اب تو نہیں تابِ رقم ساقی

تو نظریں پھیر کر جاتا ہے لیکن دیدۂ دل میں
رہے گی جیتے جی تصویر تیری مرتسم ساقی

ادھر ہے نالہ زن مینا ادھر خونبار پیمانہ
کہ سانحہ ہے بیکسی گو تیری فرقت کا غم ساقی

ہجومِ بیخودی میں چومتے تیرے قدم ساقی
اگر ہوتی نہ مانع تیری شانِ محترم ساقی

تری محفل میں ہر میخوار تھا سرمست آگاہی
تری نظریں تھیں یا صہبائے اسرار و حکم ساقی

ہر اک جنبش میں وا ہوتا تھا صد خم خانۂ عرفاں
وہ مست آنکھیں تھیں یا گردش میں تھا خمخانۂ جم ساقی

لئے جاتا ہوں میں تجھ کو تری بزمِ تجلی سے
کہ ہے معمور جادوں سے ترے میخانۂ چشمِ نم ساقی

پلا دیتا ہے تو رندوں کو اپنے خم کے خم پیہم
تری بزمِ طرب میں کیا سوالِ کیف و کم ساقی

ترے کیفِ نظر کو حشر تک ہرگز نہ بھولیں گے
ترے رندانِ میکش و تیری آنکھوں کی قسم ساقی

یہاں جو رند ہے تیرا، گراں بارِ عنایت ہے
سرِ شوریدہ قدموں پر تری ہوں کیوں نہ خم ساقی

حیات افروزِ ایمان تھا ترا ہر جرعۂ صہبا
نشاط انگیز تھا ہر رشحۂ ابرِ کرم ساقی

خدا جانے خراباتِ مغاں کا حشر اب کیا ہو
کہ تیرے دم سے میخانے کا قائم تھا بھرم ساقی

چلے آتے تھے تیری بزم میں کھنچ کھنچ کے خود میکش
کہ تیرا دورِ مے اس دور میں تھا مغتنم ساقی

دورِ حاضر

اور

اُسوۂ فاروقی

بنا ہمدلی و اخوت کی جہان مین جس نے محکم کی
وہ جس نے زندہ سُنت کی شہنشاہِ دو عالم کی

تمنا سرورِ دین کو تھی جس کے خیر مقدم کی
ضرورت ہے جہان کو پھر اسی فاروقِ اعظمؓ کی

کہ ظلمت ہر طرف چھائی ہے پھر باطل پرستی کی
مگر حد ہو گئی ہے نوعِ انسانی کی پستی کی

کوئی بھی انتہا ہے اس کے اخلاقی ذمائم کی
کہ انسان سے کہین بہتر ہے اب حالت بہائم کی

کرے شرح آہ کوئی کس طرح اس کے عزائم کی
کہ آغشتہ بخون ہے داستان اس کے جرائم کی

کیا ہے تازہ اُس نے عصرِ نو مین دورِ چنگیزی
ہے کھیل اس کا یتیمون اور معصومون کی خونریزی

صف آرا ہین گھٹائین نیرِ حق کے مقابل مین
نہ جانے کاوشین کب کی بھری ہین قلبِ باطل مین

تشتت رونما ہے ملتِ بیضا کی محفل مین
پریشانی سی ہے ہر بندۂ توحید کے دل مین

عزیمت ہے نہ وہ عہدِ سلف کی شان باقی ہے
نہ اس کا نقش "لاتحزن" پہ اب ایمان باقی ہے

جہاں میں اب یہی مسلم کے جینے کا قرینہ ہے
کہ خود داری کا اس کی چور چور اب آبگینہ ہے

پڑا موجِ بلا میں آکے اُمت کا سفینہ ہے
نشیمن خوفِ غیر اللہ کا مومن کا سینہ ہے

اکھڑتا جا رہا ہے پائے عزم استوار اس کا
کہ شیوہ بن گیا ہے رزمِ ہستی سے فرار اس کا

نہیں کیا یاد اُسے لاتقنطوا کی نصِ قرآنی
نہیں کیا یاد اسنے "کم من فئۃ" کا عہدِ ربانی

بتائے کوئی پھر ہے کس لئے یہ ضعفِ ایمانی
رہی ہے اس سے پہلے کیا یہی شانِ مسلمانی

میں گے تم کو اک اک حرف سے اسکے سبق اب بھی
کتب خانوں میں ہیں تاریخ ماضی کے ورق اب بھی

مسلماں کے لئے یہ دور دورِ سرفرازی ہے
کہ رنج و ابتلا مومن کی شانِ امتیازی ہے

حقیقت میں اسی کا سب یہ فیض کارسازی ہے
کہ دنیا میں ابھی تک سرخرو دینِ حجازی ہے

ملا ہے بہرہ اس کو روے گلگونِ شہادت سے
کہ تاریخ اس کی ہے تابندہ ترخونِ شہادت سے

ہمارے کارناموں سے ہے وہ ہر اب تک پرآوازہ
حنین و بدر کی ہے داستانِ فخر ابھی تازہ

زمانہ کو ہو پھر زورِ ید اللّٰہی کا اندازہ
خداوندا مرتب کر دے پھر ملت کا شیرازہ

ہمارے بازوؤن مین پھر وہی اگلی سی قوت دے
وہی جوشِ شجاعت دے وہی ذوقِ عزیمت دے
اٹھا دے پھر کوئی فاروق یارب عصرِ حاضر سے | جہان مین کردے بزمِ عدل و صدق آراستہ پھر سے
نہین کچھ بھی یہ مشکل تیری قدرت کے مظاہر سے | خداوندا سبھی ممکن ہے تیرے دستِ قادر سے
عمر جیسا جلیل القدر پھر دنیا مین پیدا کر
جلالِ عہدِ فاروقی جہان مین پھر ہویدا کر
سکھا دے جو جہانِ نو کو آئینِ جہانبانی | بتا دے جو زمانہ کو رموزِ فقر و سلطانی
وہ جس کا شہرۂ آفاق دورِ عدل لاثانی | بلند اک بار پھر کردے مقامِ نوعِ انسانی
ہو قلبِ دہر پر سکہ روان اس کی جلالت کا
مساوات و اخوت کا صداقت کا عدالت کا

(مئی سنہ ۱۹۵۰ء)

زندہ باد جواہر لال

اے آبروئے ہند کی تصویر زندہ باد | بازوئے قوم و ملک کی شمشیر زندہ باد
خاکِ وطن سے پھر نہ اٹھے گا ترا جواب | ہندوستان کے سب سے بڑے پیر زندہ باد
اس دور مین یہ تیری ہی تدبیر کا ہی فیض | بننے کو پھر ہے ملک کی تقدیر زندہ باد
تخریب کے ہجوم مین اس عزم و شان سے | تیرا جہاد و کوششِ تعمیر زندہ باد

قائم تجھی سے ہند مین ہر شانِ رزم و بزم — اے سرفروش و صاحبِ تدبیر زندہ باد
ہو کوہ بھی جو زد مین تو ہل جائے ایک بار — تیری وہ بے پناہیِ تقریر زندہ باد
ظلمت گہِ وطن مین تجلّی تجھی سے ہے — اے سروِ ضو، منارۂ تنویر زندہ باد
صدقے مین تیری عظمتِ شانِ بلند کے — نامِ وطن کی عظمت و توقیر زندہ باد

گاندھی نہیں تو ان کے مظاہر ابھی تو ہین
کیا غم ہین کہ زندہ جواہر ابھی تو ہین

(۱۸ر اپریل سنہ ۵۰ء)
(نہرو لیاقت سمجھوتہ کے بعد)

فارسی نظمیں

خیر مقدم

جناب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی

بہ تقریبِ قدوم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ

بحمد اللہ کہ ایزد دعوتِ ما را اجیب آمد — نویدِ کامرانی بہرِ جانِ ناشکیب آمد
ز عنبر بیزیِ خلقِ عمیمِ کیست کاین محفل — گلستان در گلستان از وفورِ نشر طیب آمد
سزد این ناحیہ گر بر عروجِ بختِ خود نازد — کہ اکنون سوے او اہلِ معارف را حبیب آمد
عجب نبود درین ویرانہ از انبوہِ مشتاقان — کہ خود آوازۂ فضل و کمالِ او نقیب آمد
ندا آمد کنون از خوابگاہِ حضرتِ شبلی — خوشا یارے کہ با آن دوریِ منزل قریب آمد
چراغِ دودۂ افغان فروغِ دیدۂ شروان — کہ ذاتش در غلام آبادِ ہندوستان غریب آمد
حیاتش یادگارے آمد اسلافِ گرامی را — کہ او آن گنجہاے دین و دانش را رقیب آمد
ز ہر حرفش گلِ خندان لطافت دام می گیرد — صریرِ خامہ اش گوئی نواے عندلیب آمد
وجودش مجمع البحرین آمد دین و دولت را — کہ خلقش بر درِ داور بر درِ خالق منیب آمد
کنون در جامعیت مثلِ او دیگر نمی بینم — نقی آمد تقی آمد ادیب آمد خطیب آمد

سزد امروز گر این مدرسہ بر خویشتن بالد
کہ از فیضِ قدومش کامگار و خوش نصیب آمد

پیش کشِ تہنیت

بتقریبِ مراجعتِ برادرِ محترم جنابِ مولوی سعید انصاری صاحب ایم، اے
از کولمبیا یونیورسٹی نیو یارک بہ اعظم گڈھ

مبارک اہلِ دانش را کہ یارِ نکتہ دان آمد
ز حکمت خانۂ مغرب بہ مشرق کامران آمد

"سعیدے" زاد گر در بزمِ یاران جلوہ گر بینم
کنون آن ساعتِ فرخ ز دورِ آسمان آمد

ہمایون اخترے کش آرزو کردم درخشان شد
گرامی گوہرے کش جستجو کردم ہمان آمد

نگہ از دیدہ، دل از سینہ بیرون بہرِ تبریکش
ہجوم اندر ہجوم و کاروان در کاروان آمد

ز اربابِ ہنر صد گوہرِ معنی نثارش شد
زہا اشکِ مسرت بر قدومش ارمغان آمد

گرفتم این کہ منزل دور بود و جادہ خارستان
بہ ہمت چون قدم زد کامگار و کامران آمد

عنان از رہ نمی پیچید عزمش بر صعوبت ہا
بپائے طلب را خار و خارا پرنیان آمد

ز مشرق برد ذوقِ جستجو او را دران محفل
بہ کیفِ آرزو سرشار رفت و سرگران آمد

قدح نوشے کہ صد خم خانہ خالی کرد در مغرب
ہنوزش نشۂ صہبائے یثرب ہمچنان آمد

دعائے دوستان و دردمندان بود ہمراہش
سپہرش سازگار و لطفِ ایزد مہربان آمد

ز فیضِ جلوہ بارش خاکِ مغرب هم ضیا گیرد — کنون تنها نه بر مشرق فروغش ضوفشان آمد
درین معمورہ هر سو نهضت تازہ همی بینم — به فیض مقدمش هر ذرہ اکنون پرفشان آمد
اگر اعظم گدہ بر خویشتن نازد روا باشد — کنون آوازۀ او تا به اوجِ آسمان آمد
برین فرزند هنر دگر جامعه بر خود همی بالد — که آب رفته اش از جوی باز اکنون روان آمد
زبانِ تشنۀ فن باز در بزم حریفان شد — هنر شوریدہ دانش دگر بر آستان آمد
هنیئاً لک همی گویند با هم ذاکر و عابد — که آن رندِ خمستان باز در بزمِ مغان آمد
سعیدِ ما چو از کولمبیا آمد سوئے دهلی — سعادت در جلو آمد ظفر در کاروان آمد
تو گوئی یوسفِ گم گشته باز آمد سوئے کنعان — تو گوئی بادِ نوروزی دگر در بوستان آمد
به دهلی باز بر زد گام چون یارے سفر کردہ — بهر سو شورِ طبلتم از زمین تا آسمان آمد
هنر دگر شورِ حشر آرزو از دل همی خیزد — ز مغرب آفتابِ ما به مشرق ضوفشان آمد
اگر هر ذرۀ خاکِ وطن رقصد همی زیبد — که فیضِ مقدمش وجهِ فروغِ هم گنان آمد
هنر دا امروز ادرا ناز تش پیشینیان بودن — که از وے زندہ از سر داستانِ باستان آمد
اگر اسلاف می نازند بر ذاتش همی زیبد — که فخرِ ملت و چشم و چراغِ دودمان آمد

الٰهی این متاعِ علم و دین در حفظِ تو بادا
کنون در بارگاهت این دعاے همگنان آمد

لکھنؤ

سوے بگذارا سے دورِ فلک تا لکھنؤ بینم — بچشم آرزو آن مرغزار رنگ و بو بینم
خوشا شہرے کہ بر خاکش سواد خلد می رقصد — چہ فردوسے کہ در باغش بہشت آرزو بینم
بہار مرغزارش دامنِ دل می کشد این جا — ز بس ہر سمت جوشِ سبزہ و فیض نمو بینم
تو می گوئی چمن اندر چمن ہر رہگذر باشد — تو می گوئی ختن اندر ختن ہر کاخ و کو بینم
ہمہ شہر ست آرے مرغزار حسن و رنگینی — بہار سبزہ و سرو و صنوبر چار سو بینم
چہ می گویم چہ کارے مشکلے افتد نگاہم را — چو ہر جانب ہجوم شاہدانِ لالہ رو بینم
بلے زیبد اگر این شہر را رشکِ ارم خوانم — کہ خاکِ عنبر آگینش سراپا رنگ و بو بینم

بگشتم سیر در وا از بہارستان رنگینش
ہنوزم آرزو باشد کہ دیگر لکھنؤ بینم

قطعۂ تاریخِ وفات

شاہد مرحوم خلف ایم مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی [۱]

بزبان مادر محزون

نسیمے بود در باغِ حیاتِ مادرم شاہد — بہشتے بود آغوشم ز روے خرّمم شاہد
بہار آخر نمی بود در دار دے رنگینش — فراموش چون شود یارب ز آغوشم برم شاہد
بہ آن شہر خموشان چون گذارد نوجوانِ من — کہ کس جز شمعِ تربت نیست یار و ہمدمم شاہد
فلک این جور تو بر من چرا کردی نہ دانستی — کہ جانِ ناتوانم بر نمی تابد غمِ شاہد
ازین ناوک کہ بشکستی مرا در سینہ اے گردون — سزد گر خون بہ گریم تا ابد در ماتمِ شاہد
بکالِ درد و غم بگذاشتی اے چرخ مادر را — پدر را ساختی خرم ز فیضِ مقدمِ شاہد

شنید این نالہ و با پشتِ خم گردون فغان برزد
غمِ شاہد کہ سالِ رحلتش آمد غمِ شاہد
۱۳۵۰ھ

۱؎ بہ فرمودہ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی،

نیایشِ کلکِ قاصر

به نگارشِ غبارِ خاطر

دگر بگوشِ حریفان نوائے راز آمد / نسیمِ خلدِ معارف به اهتزاز آمد
هزار مرحله پیموده اند تا اکنون / غبارِ خاطرِ کلکش نظر نواز آمد
نوید باد به گم ماندگانِ فن که دگر / درِ خزینهٔ عرفان و علم باز آمد
ز فیضِ رشحهٔ رنگین خامه اش چه شگفت / اگر به رقص کنون یک جهان نیاز آمد
ز من بلندیِ آن آستان چه می پرسی / که خود دبیرِ فلک با سرِ نیاز آمد
چو توتیا همه حرفش کشیده اند به چشم / غبارِ عتبهٔ فیضش که سرمه ساز آمد
چون نامه هائے محبت حبیب را بنوشت / کنون حکایتِ شعر و ادب دراز آمد
برین مرقعِ رنگین، برین صحیفهٔ راز / سزد اگر لبِ فطرت ثنا طراز آمد
خطیبِ زمزمه پرداز ادیبِ سحر طراز / که هستی اش به جهان وجهِ فخر و ناز آمد
مجاهدِ وطن است و مفکرِ اسلام / به بزم و رزم بصد شانِ امتیاز آمد
مپرس مرتبهٔ آن امامِ ملت و دین / که از معارفِ الهام سرفراز آمد

جهانِ شعر و ادب را نوید باد که باز
ابوالکلام به بزمش ادب طراز آمد

تمت

طابع وناشر صدیق احمد

قیمت:- مجلد للعہ، غیر مجلد